بہاریں لوٹ آئیں

(اصلاحی و اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ)



ڈاکٹر اشفاق احمد

BAHAREIN LAWT AAYEIN

(Stories for Children)

By : Dr. Ashfaque Ahmad

First Edition : 2018

Price : 50/-

اصلاحی و اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ

بہاریں لوٹ آئیں

ڈاکٹر اشفاق احمد

نام کتاب	:	بہاریں لوٹ آئیں
مصنف	:	ڈاکٹر اشفاق احمد
ناشر	:	شبنم اشفاق
سالِ اشاعت	:	۲۰۱۸ء
تعداد	:	500
صفحات	:	64
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	عبیر گرافکس + فضیل الرحمن نہال احمد
طباعت	:	سیفی آفسیٹ پریس، مالیگاؤں
قیمت	:	50/-

یہ کتاب مہاراشٹر اسٹیٹ اُردو ساہتیہ اکادمی
کے جزوی مالی تعاون سے شائع کی گئی ہے۔

انتساب

میں کہانیوں کا یہ مجموعہ

مرحوم جناب عبدالرفیق خطیب (ایلچپور)

اور

مرحوم جناب ریاض احمد خان (منگرول پیر)

کے نام

معنون کرتا ہوں۔

ڈاکٹر اشفاق احمد

پیش لفظ

"بہاریں لوٹ آئیں" میں واقعی بہاریں لوٹ آئی ہیں۔ یہ ایک تازہ ہوا کا لطیف جھونکا ہے۔ جس میں بھینی بھینی خوشبو بھی ہے اور تر و تازگی بھی۔ پرندوں کے نغمے بھی ہیں، ندیوں اور جھرنوں کے ساز بھی، کھلا ہوا روشن آسمان بھی ہے اور رنگ برنگی چادر پھیلائے ہوئے دمکتی ہوئی سجی سجائی عروسِ خاک داں بھی۔

بچو! تمہیں ان کہانیوں میں جادوگر، دیو، بھوت، جن، پری، شہزادی، شہزادے، بادشاہ، ملکہ، اُڑن کھٹولے، جادو کی چھڑی اور طلسمی چراغ نظر نہیں آئے گے۔ یہ تو ہماری جیتی جاگتی دنیا کی کہانیاں ہیں، ان کہانیوں کے کسی بھی کردار سے تمہاری ملاقات کسی بھی موڑ پر اور کسی بھی وقت ہو سکتی ہے۔ یہی اس مجموعے کی تمام کہانیوں کی سب سے بڑی خوبی اور حسن ہے۔

ہر کہانی دلنواز، پرسوز بھی اور پُر مسرت بھی۔ ان کہانیوں میں درس بھی ہے اور پند و نصائح بھی لیکن اتنے خوبصورت انداز میں کہ طبیعت مکدر نہ ہو، کہانی کے کہانی پن میں کمی نہ آئے، لطف اور شوق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

پیارے بچو! ان کہانیوں کو پڑھو کہ واقعی تمہارے مقدر کا ستارہ نئی بلندیوں پر ہے۔

رحمانی سلیم احمد

مصنف کا تعارف

نام : اشفاق احمد
تاریخ ولادت : یکم جولائی ۱۹۶۱ء
مقام پیدائش : رائے پور تعلقہ چکھلی ضلع بلڈانہ مہاراشٹر
والد کا نام : مصطفیٰ علی
ملازمت : درس و تدریس
معاون معلم : قدوائی ہائی اسکول و جونیئر کالج آف آرٹس، کامرس اینڈ سائنس، آسی نگر ٹیکہ، ناگپور۔
سابق سپروائزر شری شیواجی نائٹ ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج، ناگپور
تعلیم : ایم۔اے، بی۔ایڈ، پی ایچ ڈی
ابتدائی تعلیم : میونسپل کارپوریشن اردو پرائمری اسکول، تاج آباد ۱۹۷۲ء
میٹرک : میونسپل کارپوریشن سانے گروجی، اردو ہائی اسکول، دسہرا روڈ، ناگپور۔ ۱۹۷۸ء
ڈی ایڈ : گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، بالا پور۔ آکولہ ۱۹۸۰ء
ہائر سکنڈری : خانگی طور پر ناگپور بورڈ۔ ۱۹۸۳ء
بی۔اے۔ : سنت تکڑوجی مہاراج یونیورسٹی ناگپور ۱۹۸۶ء
بی۔ایڈ : مراٹھواڑہ یونیورسٹی اورنگ آباد۔ ۱۹۸۹ء
ایم۔اے۔(اردو) : سنت تکڑوجی مہاراج یونیورسٹی ناگپور ۱۹۹۲ء
پی ایچ۔ڈی : بعنوان مکتوب نگاری کی روایت۔ ۱۹۹۷ء اسکے علاوہ ہندی، عربی کے امتحانات امتیازی درجات میں کامیاب کئے۔
آغاز نثر نگاری : ۱۹۸۱ء
پہلا افسانہ : غلط فہمی (اشاعت قومی آواز۔ ۵ر دسمبر ۱۹۸۱ء
بچوں کے لیے پہلی کہانی: عقلمند شہزادہ (ماہنامہ پیام تعلیم دہلی۔ اپریل ۱۹۸۲ء)

تصانیف

۱) ۱۹۸۵ء صبح کا بھولا (سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ)
۲) ۱۹۹۰ء استاد اور شاگرد کے لطیفے
۳) ۱۹۹۳ء اورنگ آباد کے سات پھیرے (مزاحیہ سفر نامہ)

۴) ؁۱۹۹۳ یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے (منی افسانوں کا مجموعہ)
۵) ؁۱۹۹۵ رمضان روزہ اور زکوٰۃ کے احکام و مسائل
۶) ؁۱۹۹۸ خوشبو کی واپسی (سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ)
۷) ؁۲۰۰۲ قرآن کا سندیش مانو جاتی کے نام
۸) ؁۲۰۰۲ رحمت عالم ﷺ (سیرت مبارکہ پر کوئز)
۹) ؁۲۰۰۳ اخلاقِ رسول ﷺ (واقعات کی روشنی میں)
۱۰) ؁۲۰۰۴ کتاب مبین (قرآنی معلومات پر مشتمل کتاب)
۱۱) ؁۲۰۰۵ کھوئی ہوئی دولت (اخلاقی و اصلاحی کہانیوں کا مجموعہ)
۱۲) ؁۲۰۰۵ ایک زخم اور سہی (منی افسانوں کا مجموعہ)
۱۳) ؁۲۰۰۷ اسلامی معلومات (سوالاً جواباً)
۱۴) ؁۲۰۰۷ نئی صبح (اخلاقی و اصلاحی کہانیوں کا مجموعہ)
۱۵) ؁۲۰۰۸ آداب کتابت (خوش نویسی پر مشتمل کتاب)
۱۶) ؁۲۰۰۸ آئینہ ایام (پیش درس کے لیے مفید کتاب)
۱۷) ؁۲۰۰۸ کہکشاں (پیش درس کے لیے مفید کتاب)
۱۸) ؁۲۰۰۹ پھول کھلنے دو (پیش درس کے لیے مفید کتاب)
۱۹) ؁۲۰۱۰ شمیم رسالت مآب (بچوں کے لیے نعتوں کا مجموعہ)
۲۰) ؁۲۰۱۱ رہنمائے معلم (نئی ایجوکیشن تعلیمی پالیسی کے تحت اساتذہ کیلئے مفید کتاب)
۲۱) ؁۲۰۱۲ ناگپور میں بچوں کا ادب (تحقیق)
۲۲) ؁۲۰۱۴ سنہرے اقوال (اردو، انگریزی، عربی)
۲۳) ؁۲۰۱۴ سیرت نبویؐ۔ چند نقوش (سیرت مبارکہ کے روشن پہلوؤں پر ستر مضامین کا مجموعہ)
۲۴) ؁۲۰۱۵ کہانیوں کی بارات (دور بھر کے ادیب الاطفال اور ان کی نمائندہ کہانیاں)
۲۵) ؁۲۰۱۷ رمضان المبارک نیکیوں کی بہار کا موسم

قلمی خدمات : ادبی موضوعات پر مضامین، تبصرے، افسانے اور بچوں کیلئے سبق آموز کہانیاں درج ذیل رسائل و اخبارات میں شائع ہوئیں۔

اردو رسائل : پیش رفت (دہلی)، قرطاس (ناگپور)، حجاب (دہلی)، ادبی کارواں (ناگپور)، فنکار (حیدر آباد)، پیام تعلیم (دہلی)، نور (رامپور)، ہمالیا سماچار (دہلی)، تعلیمی سفر (لاتور)، خاتون مشرق

(دہلی)، زاویہ (سویڈن)، امنگ (دہلی)، شگوفہ (حیدرآباد)، محفل صنم (دہلی)، صدائے احباب (ناگپور)، نقوش قدوائی (ناگپور)، بے باک (مالیگاؤں)، کہکشاں (ناگپور)، شاہین (ناگپور)، روح ادب (مغربی بنگال اردو اکادمی)، کوہسار (بھاگلپور)، گل کدہ (سہسوان بدایوں)، اردو میلا (ناگپور)، کھلونا (دہلی)، بچوں کا ادب (کھام گاؤں)، گلابی کرن (دہلی)، بچوں کا ہلال (رام پور)، بچوں کی نرالی دنیا (دہلی)، سبق اردو (بدھوئی)، قومی راج (ممبئی)، فردوس (امراؤتی)، گلشن اطفال (مالیگاؤں)، بتول (دہلی)، کاغذ (ممبئی)، فنون (اورنگ آباد)، ریویو (دہلی)، گلدستہ تعلیم (دہلی)، الفاظ ہند (کامٹی) اچھا ساتھی (بجنور) چشمہ اردو (حیدرآباد) حجاب (دہلی)

ہندی رسائل : پورنا (ناگپور)، سابتیہ آنچل (بھیل واڑہ، راجستھان)، رو چیر سنسار (جبلپور)، اویرام (روڑکی)، وینا (اندور)، سامکی (ادے پور)، کانتی (دہلی)، بستر پانی (بستر جگدل پور)

اردو اخبارات : اردو ٹائمز (ممبئی)، انقلاب (ممبئی)، محرک (آسنسول)، گونج (نظام آباد)، رقیب (کامٹی)، ہمہ گیر (ناگپور)، زیر و زبر (آکوٹ)، العظیم (ایوت محل)، امن کا پیغام (کھامگاؤں)، ملت ٹائمز (ناگپور)، قومی آواز (ممبئی)، فرمان (حیدرآباد)، اخوت (کامٹی)، مشعل حیات (ناگپور)، دور بہ نامہ (ناگپور)، معیار قوم (دھولیہ)، سٹی زن ٹائمز (مالیگاؤں)، اورنگ آباد ٹائمز (اورنگ آباد) نیا اردو سماچار (ناگپور)، سنگ میل (ناگپور)، نئی دنیا (دہلی)، تعمیر (بیڑ)، اوصاف (لاتور)، آریخ سٹی (ناگپور)، المیزان (ناگپور)، تحریک اصلاح (ناگپور)، منصف (حیدرآباد)، اخبار عالم (ممبئی)، خیر اندیش (مالیگاؤں)، ریویو (دہلی)، گلدستہ تعلیم (دہلی)، الفاظ ہند (کامٹی)

ہندی اخبارات : نو بھارت، بھاسکر، لوک مت سماچار، یوگ دھرم، رجنی مکھ، دور بہ کی بات، سندیش، سیاست اپنی اپنی، دور بہ چنڈ یکہ، لوک وکتا (ناگپور)

تصانیف پر مشاہیر ادب کی آراء : شمس الرحمن فاروقی (الہ آباد)، جوگیندر پال (دہلی)، ڈاکٹر مظفر حنفی (دہلی)، جیلانی بانو (حیدرآباد)، اقبال مجید (حیدرآباد)، یوسف ناظم (ممبئی)، ڈاکٹر منشاء الرحمن خان منشاء (ناگپور)، پروانہ ردولوی (دہلی)، پروفیسر ڈاکٹر عتیق اللہ (دہلی)، عبدالکریم پاریکھ (ناگپور)، ظفر گورکھپوری (ممبئی) سلام بن رزاق (ممبئی)، پروفیسر علیم اللہ حالی (گیا۔ بہار)، ڈاکٹر محبوب راہی (آکولہ)، ڈاکٹر عبدالرحیم نشتر (ناگپور)، مسرور جہاں (لکھنو)، م۔ نا گ۔ (ممبئی)، وکیل نجیب (ناگپور)، اقبال انصاری (دہلی)، سید عبدالباری (دہلی)، قاضی مشتاق احمد (پونہ)

،ایم مبین (بھیونڈی)، احمد وصی (ممبئی)، ڈاکٹر قمر سلیم (دہلی)، ڈاکٹر صفدر (امراوتی)، ڈاکٹر آغا غیاث الرحمن (ناگپور) احسن امام (بھوبنیشور۔اڑیسہ)، عبدالقدوس قادری (لکھنو)، ڈاکٹر مجید بیدار (حیدرآباد)، شائل ادیب (حیدرآباد)، نورالسعید اختر (ممبئی)، ڈاکٹر محمد اسد اللہ (ناگپور)، قاضی رؤف انجم (باری ناگلی)، شاہد رشید (وروڈ)، غلام رسول اشرف (ناگپور)، حبیب رحمپوری (امراوتی)، ڈاکٹر ابوالکلام (ناگپور) نفیس بانو شمع (دہلی)، وسیل احمد (ممبئی) ،بابو آر کے (اچل پور)، عاجز ہنگن گھاٹی (ہنگن گھاٹ)، جاوید ندیم (ناگپور)، نثار اختر انصاری (ناگپور)، فرمانہ صدیقی (ناگپور)، پروفیسر سمیرہ موسن (کامٹی)، محمد امین الدین، (ناگپور)، حیدر بیابانی (اچل پور)، ڈاکٹر شرف الدین ساحل (ناگپور)، محمد یونس انیس انصاری (ناگپور) محمد یعقوب الرحمن (ایوت محل)۔

تصانیف میں فن اور شخصیت پر تذکرہ / مضامین

۱۔	ناگپور میں اردو۔	ڈاکٹر شرف الدین ساحل۔ناگپور
۲۔	وسط ہند میں اردو	ڈاکٹر جناب عالم۔بھوپال
۳۔	برار میں اردو زبان وادب کا ارتقاء	ڈاکٹر آغا غیاث الرحمن۔ناگپور
۴۔	ادبیات ودربھ	ڈاکٹر آغا غیاث الرحمن۔ناگپور
۵۔	متاع فکر وفن	شائل ادیب،حیدرآباد
۶۔	حرف حرف آئینہ	ڈاکٹر منشاء الرحمن خاں منشاء۔ناگپور
۷۔	اردو انشائیہ کی روایت	ڈاکٹر سلیم راہی۔اورنگ آباد
۸۔	پیکر اور پرچھائیاں	ڈاکٹر محمد اسد اللہ۔ناگپور
۹۔	تذکرہ ہم نفساں	ڈاکٹر محبوب راہی۔باری ناگلی آکولہ
۱۰۔	شخصیات ودربھ	ڈاکٹر آغا غیاث الرحمن۔ناگپور
۱۱	مہاراشٹر کے اہل قلم	احسن امام۔بھوبنیشور
۱۲	پرت در پرت	مناظر عاشق ہرگانوی
۱۳	ناگپور میں بچوں کا ادب	ڈاکٹر اشفاق احمد
۱۴	اردو آٹو گراف	مناظر عاشق ہرگانوی
۱۵	کہانیوں کی بارات	ڈاکٹر اشفاق احمد

خصوصی نمبر ـــــ گلشن اطفال نمبر (مالیگاؤں)

انعامات واعزازات

۱) سنہ ۱۹۸۵ مہاراشٹر اردو اکادمی نے "صبح کا بھولا" کے لیے اول انعام سے سرفراز کیا۔
۲) سنہ ۱۹۸۵ اتر پردیش اردو اکادمی نے "صبح کا بھولا" کے لیے انعام سے سرفراز کیا۔
۳) سنہ ۱۹۸۷ انجمن حامیان اردو سوئی ایوت محل نے آل انڈیا مضمون نویسی مقابلہ میں دوم انعام سے نوازا۔
۴) سنہ ۱۹۹۳ آل انڈیا میر اکادمی لکھنؤ نے تصنیف "یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے" کے لیے میر ایوارڈ سے نوازا۔
۵) سنہ ۱۹۹۸ سرسید ادبی سنگم، سوپارہ ممبئی نے "مثالی مدرس" ایوارڈ سے نوازا۔
۶) سنہ ۱۹۹۸ مہاراشٹر اسٹیٹ اردو اکادمی نے خوشبو کی واپسی کیلیے سوم انعام سے نوازا۔
۷) سنہ ۲۰۰۱ مولانا ابوالکلام آزاد ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی رائے پور بلڈانے ادبی خدمات کے اعتراف میں سپاس نامہ سے نوازا۔
۸) سنہ ۲۰۰۱ مہاراشٹر ساہتیہ اکادمی بھساول نے "پریم چند لیکھک" پرسکار سے نوازا۔
۹) سنہ ۲۰۰۱ مہاراشٹر ساہتیہ اکادمی بھساول نے کرمٹھ سماج سیوک پرسکار سے نوازا۔
۱۰) سنہ ۲۰۰۲ مہاراشٹر دلت ساہتیہ اکادمی نے "ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر آدرش شکشک ایوارڈ سے نوازا۔
۱۱) سنہ ۲۰۰۳ مہاراشٹر ساہتیہ اکادمی ناگپور نے "ساہتکار" پرسکار سے نوازا۔
۱۲) سنہ ۲۰۰۳ رہبر مسلم ایکیونس ویلفیر سوسائٹی نے "مولانا محمد علی جوہر" ایوارڈ سے نوازا۔
۱۳) سنہ ۲۰۰۳ مہاراشٹر دلت ساہتیہ اکادمی دہلی نے "ڈاکٹر امبیڈکر فیلوشپ" سے نوازا۔
۱۴) سنہ ۲۰۰۴ اوصاف ایڈیٹوریل بورڈ، لاتور نے "اوصاف ایوارڈ برائے ادب" سے سرفراز کیا۔
۱۵) سنہ ۲۰۰۴ کیدارناتھ ساماجک پرتشٹھان لاتور نے "شری شیام راؤ پاٹل گروجی آدرش شکشک ایوارڈ سے نوازا۔
۱۶) سنہ ۲۰۰۴ لوک راجیہ پرتشٹھان اور آدتیہ پبلیکیشنز کے ذریعہ ڈاکٹر ہری ونش رائے بچن آدرش شکشک ایوارڈ سے شہر لاتور میں نوازا گیا۔
۱۷) سنہ ۲۰۰۵ گورنمنٹ آف مہاراشٹر نے ریاستی مثالی مدرس ایوارڈ سے نوازا۔
۱۸) سنہ ۲۰۰۵ مہاراشٹر دلت ساہتیہ اکادمی نے "مہاتما جیوتی با پھلے سماج سیوک" پرسکار سے سرفراز کیا۔
۱۹) سنہ ۲۰۰۵ ماتنگ سماج سدھار ناسترمنڈل اورنگ آباد نے "انا بھاؤ ساٹھے" شکشک پرسکار سے سرفراز کیا۔
۲۰) سنہ ۲۰۰۵ ساہتیہ سمپدن سوسائٹی تھانہ کی جانب سے "سماج سمپدن" پرسکار سے نوازا۔
۲۱) سنہ ۲۰۰۵ لوک جن شکتی وشو کلیان لوک سیوا اکادمی عثمان آباد نے "لیکھک ساہتیہ گورو" پرسکار سے نوازا۔
۲۲) سنہ ۲۰۰۵ ہیومن ویلفیر سوشل آرگنائزیشن کی جانب سے "راشٹریہ مانوی کلیان" پرسکار سے نوازا گیا۔

۲۳) سنہ ۲۰۰۵ سنسکار پرتشٹھان پونے کی جانب سے "سنسکار رتن" پرسکار سے نوازا۔
۲۴) سنہ ۲۰۰۵ مہاراشٹر سمتا سیوا ابھاوی سوسائٹی اورنگ آباد کی جانب سے "سمتا رتن" پرسکار سے نوازا گیا۔
۲۵) سنہ ۲۰۰۵ شری چوتنیہ سیوا آشرم سنگھٹنا ناگپور کی جانب سے "ڈاکٹر رادھا کرشنن آورش شکشک پرسکار سے نوازا گیا۔
۲۶) سنہ ۲۰۰۶ تو نیت پبلیکیشنز انڈیا لمیٹیڈ کی جانب سے "تو نیت سمان" پرسکار سے نوازا۔
۲۷) سنہ ۲۰۰۸ شاداب ایجوکیشن سوسائٹی ناگپور کی جانب سے "دور بھ مسلم گورو" پرسکار سے نوازا گیا۔
۲۸) سنہ ۲۰۰۸ اساس ایجوکیشن سوسائٹی بسمت ضلع ہنگولی نے "اساس ریاستی ایوارڈ" سے نوازا۔
۲۹) سنہ ۲۰۰۸ ودربھ ہندی ساہتیہ سمیلن ناگپور کی جانب سے "پرواز ایوارڈ" سے نوازا۔
۳۰) سنہ ۲۰۰۹ اکھل مہاراشٹر پتر کار و پتر لیکھن سنگھ ممبئی نے "راشٹریہ ایکتا فیلوشپ" سے نوازا۔
۳۱) سنہ ۲۰۱۰ جئے ہند سیوا ابھاوی سنستھا ممبئی نے "مہاراشٹر گورو" پرسکار سے نوازا گیا۔
۳۲) سنہ ۲۰۱۰ پی آر ٹی کے جوشی آورش شکشک پرسکار آل مہاراشٹر نائٹ اسکول ایچ ایم اسوی ایشن ممبئی کی جانب سے عطا کیا گیا
۳۳) سنہ ۲۰۱۱ اردو ساہتیہ پریشد ضلع لاتور کی جانب سے "معمار ادب اطفال ریاستی ایوارڈ" سے نوازا گیا۔
۳۴) سنہ ۲۰۱۱ ودربھ پردیش وکاس پریشد ناگپور نے "سماج ‌یکتا پرسکار سے نوازا۔
۳۵) سنہ ۲۰۱۱ یونائیٹیڈ اسٹوڈنس اسوی ایشن ناگپور نے "آئیڈیل ٹیچر ایوارڈ" سے نوازا۔
۳۶) سنہ ۲۰۱۳ ڈاکٹر چمن شانتی لال جی دیسرڈا آف ایجوکیشن اور پریرنا ساہتیہ سنسکرتک پرتشٹھان اورنگ آباد نے "بشر نواز ایوارڈ سے نوازا۔
۳۷) سنہ ۲۰۱۴ نجیب اسپورٹنگ کلب ناگپور کی جانب سے بچوں کی ادبی خدمات کے اعتراف میں اعزاز سے نوازا گیا۔
۳۸) سنہ ۲۰۱۴ بہار اردو اکادمی نے "ناگپور میں بچوں کا ادب" کے لیے اختر اورینوی ایوارڈ سے سرفراز فرمایا۔
۳۹) سنہ ۲۰۱۵ فضل النساء بیگم میموریل ٹرسٹ ناگپور کی جانب سے تعلیمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں اعزاز سے نوازا گیا۔
۴۰) سنہ ۲۰۱۷ احباب بھارت دیش ایجوکیشن سوسائٹی ناگپور کی جانب سے ماسٹر آف سیرینٹی ایوارڈ نوازا گیا۔

ادارتی ذمہ داریاں

مدیر اعلیٰ : نقوش قدوائی سنہ ۱۹۹۷ تعلیمی مجلہ، قدوائی ہائی اسکول لشکری باغ، ناگپور
مدیر : کہکشاں سنہ ۲۰۰۰ تعلیمی مجلہ، شری شیواجی نائٹ ہائی اسکول و جونیر کالج ناگپور
مدیر : نقوش قدوائی سنہ ۲۰۱۲ تعلیمی مجلہ، شری شیواجی نائٹ ہائی اسکول و جونیر کالج

مدیر : شاہین ۲۰۰۶ء مسلم پرانسٹوڈنس ویلفیر اسوی ایشن کی پانچ سالہ سرگرمیاں و پیش رفت
مہمان مدیر: عبدالمجید نمبر ہفتہ روزہ اوصاف، لاتور
نائب مدیر : مجلہ صدائے احباب، احباب کو آپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کی پچاس سالہ سرگرمیاں
رکن مجلس ادارت : ماہنامہ تعلیمی سفر لاتور
ماہنامہ گلشن اطفال، مالیگاؤں، ماہنامہ الفاظ ہند، کامٹی

دیگر

۱۔ آکاش وانی ناگپور سے متعدد مضامین اور افسانے نشر
۲۔ ای ٹی وی اردو اور ڈی ڈی ٹی وی چینل پر انٹرویو اور تصانیف کا تعارف
۳۔ مختلف سمیناروں اور ادبی اجلاس میں مقالے و کہانیاں پڑھی گئیں
۴۔ حکومت مہاراشٹر کی نصابی کتب کی تیاری کے ادارے بال بھارتی پونے میں اردو کی کتابوں کے نظر ثانی کے ورک شاپ میں شرکت
۵۔ وسنت راؤ چوہان اوپن یونیورسٹی مہاراشٹر میں بحیثیت وزیٹنگ پروفیسر

زیر ترتیب کتب

سیرت سرورِ عالم (کوئز) — کپاس کے پھول (ودربھ میں افسانچہ نگاری کی روایت)
نقوشِ منزل (کریئر گائڈنس پر مشتمل کتاب) — برجستہ (منی افسانوں کا مجموعہ)
سبز شاخ (بچوں کی کہانیاں) — گلستانِ ودربھ (ودربھ میں بچوں کا ادب)

انجمنوں سے وابستگی

نائب صدر : نائب صدر انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ، ناگپور
سکریٹری : ودربھ اردو میڈیم ٹیچرس اسوی ایشن، ناگپور
سکریٹری : ٹیچرس کالونی سدھار کمیٹی، جعفر نگر، ناگپور
سکریٹری : اردو تحریک لندن شاخ، ناگپور
سکریٹری : العروج ایجوکیشنل فرنٹ، جعفر نگر، ناگپور
نائب سکریٹری : انجمن خیر الاسلام ایجوکیشن سوسائٹی، ناگپور
نائب سکریٹری : انجمن فلاح المسلمین، اکادمی لے آؤٹ، جعفر نگر، ناگپور
خازن : ادبستان، جعفر نگر، ناگپور

☆☆☆☆

فہرست

☆☆☆

اپنی بات

عزیز بچوں

بہاریں لوٹ آئیں، کہانیوں پر مشتمل میرا پانچواں مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اس سے قبل آپ کے لیے صبح کا بھولا ،خوشبو کی واپسی، نئی صبح اور کھوئی ہوئی دولت تصانیف پیش کر چکا ہوں۔ بہاریں لوٹ آئیں کی کہانیاں دیگر مجموعوں کی کہانیوں سے ذرا مختلف ہیں۔ یہ کہانیاں خاص طور پر تعلیمی اقدار کو پیش نظر رکھ کر تحریر کی گئی ہیں۔میری یہ کہانیاں بالخصوص عظمت نسواں، مرد وزن مساوات، ماحولیات، علم کی عظمت، بڑوں کا ادب، نیکی کی عظمت اور غیرت وخودداری جیسے موضوعات پر مشتمل ہیں۔انھیں اسکول میں روزانہ ہونے والے پیش درس کے موقعے پر بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

میں مہاراشٹر اسٹیٹ اردو ساہتیہ اکادمی ممبئی کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کی مالی اعانت سے یہ کتاب منظر عام پر آئی۔میں رحمانی سلیم احمد کا بھی مشکور ہوں جن کی کاوشوں سے یہ کتاب اشاعت کی منزلیں طے کر کے آپ کے ہاتھوں تک پہنچی۔مجھے امید ہے کہ آپ کو یہ کہانیاں سابقہ مجموعوں کی کہانیوں کی طرح ضرور بہ ضرور پسند آئیں گی۔

اشفاق احمد

بہاریں لوٹ آئیں

شہر سلطان پور ریلوے لائن کے کنارے آباد تھا۔ یہاں سبھی ٹرینیں ٹھہرتی تھیں۔ اسی وجہ سے آس پاس کے شہروں کی بہ نسبت یہ شہر تجارتی و صنعتی اعتبار سے کافی ترقی کر گیا تھا۔ اس شہر میں بڑے بڑے بازار، ہوٹلیں، دواخانے اور اعلیٰ معیاری تعلیمی مدارس بھی تھے۔ اسی شہر میں شفق کے ابو گذشتہ پچیس سالوں سے سکونت پذیر تھے۔ سلطان پور کے زیادہ تر لوگ تجارت کرتے تھے۔ شفق کے والد بھی ریڈیمیڈ کپڑوں کے تاجر تھے لیکن ان کی کوئی باقاعدہ دکان نہ تھی۔ وہ روزانہ فٹ پاتھ پر کپڑوں کی گٹھری کھول دیتے۔ شام ڈھلنے تک کپڑے فروخت کرتے اور اندھیرا ہوتے ہی کپڑوں کی گٹھری اپنی سائیکل پر رکھے گھر لوٹ آتے۔

شفق اپنے والدین کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ اسے دو چھوٹے بھائی اور ایک بہن تھی۔ دادا جان کا انتقال ہوئے چار سال کا عرصہ ہو چکا تھا۔ گھر میں دادی اماں تھیں۔ اسطرح سات افراد پر مشتمل یہ خاندان کسی طرح دو وقت کی پیٹ کی آگ بجھانے میں مصروف تھا۔ شفق کے چھوٹے بھائی بہن پرائمری اسکول کے درجات میں زیر تعلیم تھے۔ شفق نویں جماعت کی طالبہ تھی۔ وہ شوق سے اسکول جاتی اور ہمیشہ اپنی جماعت میں اول آیا کرتی تھی۔ شفق اور اس کے بھائی بہن جیسے جیسے تعلیمی مرحلے طے کر رہے

تھے ان کی تعلیمی ضرورتیں بھی بڑھتی جارہی تھیں۔ جنہیں پورا کرنے کے لیے ان کے والد صبح سے شام تک تگ و دو کرتے رہتے تھے۔ شفق بڑی سمجھدار لڑکی تھی۔ اسے اس بات کا احساس تھا کہ تعلیمی اخراجات یوں ہی بڑھتے گئے تو شاید والد صاحب انھیں اعلیٰ تعلیم سے آراستہ نہ کرسکیں گے اور اسکی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پوری نہ ہوسکے گی یہی وجہ تھی کہ اسنے گزشتہ دو ہفتوں سے محلہ کے بچوں کے پھٹے پرانے کپڑے سلائی مشین سے سینے اور نئی ساڑیوں میں فال لگانے کا کام شروع کر دیا تھا تاکہ کم از کم اسکے اپنے تعلیمی اخراجات وہ خود پورے کر کے اپنے والد کا بوجھ کم کر سکے۔

شفق نے اپنے گھر میں یہ کام جب سے شروع کیا تھا محلے میں رہنے والوں کو دھیرے دھیرے خبر ہورہی تھی اور شفق کے کام میں دن بدن اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

ایک دن وہ اپنے گھر میں بیٹھی ساڑی میں فال لگا رہی تھی کہ پڑوس کی شاہین باجی دوڑی دوڑی آئیں۔ ان کے ہاتھ میں موبائل تھا۔ شفق کو دیکھ کر کہنے لگیں "شفق ذرا دیکھو تو اس موبائل پر کونسا نمبر آیا ہے؟

شفق نے موبائل پر آیا نمبر پڑھ کر سنا دیا۔ موبائل کا نمبر سنتے ہی وہ بہت خوش ہوگئیں۔ ارے یہ تو میرے چچا جان کا نمبر معلوم ہوتا ہے۔ کاش یہ نمبر میں پڑھ پاتی۔ وہ اداس ہو کر بولیں۔ کچھ توقف کے بعد پھر وہ کہنے لگیں۔ خیر میری قسمت ہی ایسی ہے۔ شفق۔۔۔۔ تمہارا بہت بہت شکریہ!" یہ کہہ کر وہ چلی گئیں لیکن شفق کے ذہن کے پردے پر کئی باتیں ابھر آئیں وہ سوچنے لگی۔

"عجیب لوگ ہیں کچھ حاصل کرنے کے لیے نہ ہی تدبیریں کرتے ہیں اور نہ کوشش۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں اور جب کچھ ہاتھ نہیں آتا تو پھر قسمت اور

نصیب کو قصوروار ٹھہراتے ہیں۔ جو لوگ کوشش اور تدبیریں کرتے ہیں ان کی تو اللہ تعالیٰ بھی مدد فرماتا ہے اور انھیں کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے۔ شاہین باجی مجھ سے عمر میں بہت بڑی ہے لیکن موبائل نمبر نہ پڑھ پانے کی وجہ سے وہ میرے پاس آئی۔ مجھ سے التجا کی اور پھر جب موبائل نمبر جان گئی تو میرا شکر ادا کیا۔ شاہین باجی جیسی نہ جانے کتنی ہی ایسی لڑکیاں ہوں گی جو چھوٹی چھوٹی باتوں کو جاننے کے لیے دوسروں کی مرہون منت ہوں گی۔ دوسروں کے سامنے ہمیشہ شرمسار اور احساس کمتری کا شکار ہوتی رہیں گی۔ یہ سوچ کر وہ پریشان سی ہوگئی۔ رات بھر یہی خیال اس کے ذہن میں گردش کرتا رہا اس لیے وہ سو نہ سکی۔ صبح اٹھی تو اس کا ذہن بوجھل تھا۔ اس کے دل میں یہ خیال بار بار آرہا تھا کہ پڑھے لکھے بچے بھی تعلیم سے نا آشنا بچوں کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں نا خواندہ بچے عمر میں بڑے ہونے کی وجہ سے وہ اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے میں شرم محسوس کرتے ہیں جبکہ وہ اپنے ساتھیوں سے بڑی بے تکلفی کے ساتھ اپنی مشکلات کو دور کر سکتے ہیں اور پھر جب یہ بچے بنیادی تعلیم سے آشنا ہو جائیں گے تو انھیں چھوٹی چھوٹی باتوں کے لیے دوسروں سے مدد لینے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ وہ اپنی زندگی کامیابی کے ساتھ گزار سکیں گے۔ اس کام کے لیے ہم جیسے بچوں کو اپنا وقت ضرور دینا چاہیے لیکن ہمارا یہ وقت ضائع نہ ہوگا دوسروں کو تعلیم دینے سے ہمارے علم میں اضافہ ہوگا اور ہم میں خود اعتمادی کا جذبہ بھی پروان چڑھے گا۔ اس دن شفق نے طے کیا وہ تعلیم دینے کا آغاز خود اپنے طور پر کرے گی اور سب سے پہلے شاہین باجی کو پڑھائے گی۔ دوسرے دن پڑوس میں جا کر اس نے شاہین کو آواز دی۔ "کیا کر رہی ہو شاہین باجی۔۔۔۔۔؟"

ارے شفق آؤ بیٹھو۔۔۔۔ تمہاری طرح پڑھی لکھی تو ہوں نہیں کہ کتابیں لیکر بیٹھوں۔

ٹی۔وی دیکھ کر اپنا وقت بتا رہی ہوں۔

شاہین باجی۔۔۔کیا آپ نہیں چاہتیں کہ میری طرح آپ کو بھی پڑھنا لکھنا آجائے۔

واہ۔۔۔واہ۔کیوں نہیں شفق۔میں اب تعلیم کی اہمیت سے خوب واقف ہوگئی ہوں۔ میں شوق سے پڑھنا چاہتی ہوں لیکن تم تو جانتی ہو اب اس عمر میں بھلا کس سے اور کس طرح پڑھوں مجھے شرم آتی ہے۔شاہین نے اپنا حال دل بیان کر دیا۔

شاہین باجی علم حاصل کرنے میں شرم کیسی۔۔۔؟ علم حاصل کرنے کا شوق ہو تو وہ عمر کے کسی بھی حصے میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔آپ نے سنا نہیں۔نبی اکرم ﷺ کی دعوت پر جو لوگ دامن اسلام میں آرہے تھے ان میں زیادہ تر صحابہ کرام ضعیف تھے لیکن اسلامی تعلیمات سے واقفیت اور دینی مسائل کو جاننے کی خواہش دل میں رکھتے تھے۔لہذا یہی تمام صحابہ کرام مسجد نبوی کے باہر بنے چبوترے پر حضور اکرمؐ سے دین کا علم سیکھتے تھے۔ باجی۔اچھی تعلیم اچھے اخلاق پیدا کرتی ہے۔شاہین باجی۔۔۔انسان میں کچھ پانے کی تڑپ اور لگن ہو تو وہ سب کچھ حاصل کر سکتا ہے۔اب مجھے ہی دیکھئے غریبی تعلیم حاصل کرنے میں رکاوٹ بنتی نظر آئی تو میں نے اس کا حل ڈھونڈ نکالا۔دراصل کچھ کر گزرنے کے لیے لگن،ہمت اور حوصلہ چاہیے۔شفق یہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔

"شفق تم نے تو میری آنکھیں کھول دی،اب تم ہی بتاؤ مجھے کیا کرنا ہوگا۔"شاہین نے بے چینی سے کہا۔

آپ روزانہ مجھے صرف ایک گھنٹہ دیا کریں گی۔میں تمہیں پڑھنا لکھنا سکھاؤں گی۔۔۔ اور دیکھنا اس قابل بنا دوں گی کہ تم خود دوسروں کی رہنمائی کر سکو گی۔

شفق اگر ایسا ہوا تو تمہارا بڑا احسان ہوگا۔

نہیں ۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔ باجی ۔۔۔۔۔ یہ احسان نہیں یہ تو میرا فرض ہے بلکہ باجی ۔۔۔ اگر ایسا نہ کیا تو مجھے یہ احساس ہمیشہ رہیگا کہ میں تعلیم یافتہ لڑکی ہونے کے باوجود میرے پڑوس کی بہن ان پڑھ رہ گئی اور میں کچھ نہ کر سکی۔

اب آپ یہ بتائیے کہ پڑھنے کے لیے کونسا وقت مناسب رہے گا۔ شفق نے پوچھا۔

میرا خیال ہے ظہر کے بعد مناسب رہے گا۔ اچھا ٹھیک ہے کل سے میں ظہر کے بعد آیا کروں گی یہ کہہ کر شفق گھر لوٹ آئی۔ دوسرے دن شفق روزانہ شاہین باجی کے گھر انھیں پڑھانے جانے لگی۔ جیسے جیسے پاس پڑوس اور محلہ کی ناخواندہ لڑکیوں کو معلوم ہونے لگا وہ بھی وہاں آنے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے شاہین باجی کا بیٹھک کا کمرہ جماعت کے کمرے میں تبدیل ہو گیا۔ ان ناخواندہ لڑکیوں کو تعلیم دیکر شفق ایک انجانی سی خوشی محسوس کر رہی تھی۔ ایک دن اس کی یہ خوشی چھپائے نہ چھپ سکی اور اس نے اپنی جماعت کے ساتھیوں سے اس کا اظہار کر دیا۔

اس دن شام میں جب شفق کے ساتھی شاہین باجی کے گھر آئے تو دیکھا کہ شفق ایک استانی کی طرح اس کمرہ میں پندرہ بیس لڑکیوں کو پڑھنا لکھنا سکھا رہی ہے اور لڑکیاں بھی بڑی دلچسپی اور انہماک کے ساتھ سیکھ رہی ہیں تب ان کے دل میں بھی یہ خواہش جاگی کہ وہ بھی شفق کی طرح جھگی جھونپڑیوں میں علم کی شمع کو روشن کر کے تحریک تعلیم برائے تمام کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں گے۔

دوسرے دن اسکول کی چھٹی کے بعد جماعت کے ساتھیوں نے شفق سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو شفق بے حد خوش ہوئی۔ فوراً ہی شفق نے ساتھیوں کو اپنے گھر بلایا اور ان سے مشورہ کر کے باقاعدہ ایک منصوبہ کے تحت دوسرے دن سے چھٹی کے بعد یہ شہر

کے ہر محلہ میں ان لڑکے لڑکیوں کی تلاش میں نکل پڑے جو ناخواندہ تھے لیکن اب تعلیم حاصل کرنے کے خواہش مند تھے۔

روزانہ یہ تعلیمی کارواں شفق کے گھر سے نکلتا۔شفق ہاتھ میں کاغذ قلم لیے آگے آگے ہوتی اور یہ علم کے متوالے ہر دروازے پر دستک دیتے۔

ایک ہفتہ کی مسلسل تگ و دو کے بعد شفق اور اسکے ساتھیوں نے دو سو طلبہ کی فہرست تیار کرلی۔ یہ فہرست شہر کے مختلف محلوں کے بچوں پر مشتمل تھی اس لیے شفق نے ہر محلہ میں رہنے والے ساتھیوں کو وہاں کے لڑکے لڑکیوں کی فہرست تیار کرکے دے دی تاکہ وہ اپنے محلہ کے بچوں کو تعلیم دینے کا انتظام کرسکے۔فہرست ملتے ہی شفق کے ساتھیوں نے اپنے اپنے محلہ میں کسی ایک مقام پر بلا کر انھیں تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کردیا۔

شفق اکثر و بیشتر اپنے فاضل اوقات میں مختلف محلوں میں تعلیم حاصل کررہے۔طلبہ سے ملاقات کرنے ضرور جاتی،ان کا حوصلہ بڑھاتی اور تعلیمی رفتار کا جائزہ بھی لیتی۔ان لڑکے لڑکیوں سے مل کر شفق کو یہ احساس ضرور ہوتا کہ ان میں تعلیم حاصل کرنے کی خواہش تڑپ اور لگن بہ درجہ اتم موجود ہے البتہ انھیں ترغیب اور حوصلہ دینے کی ضرورت ہے۔

شفق کے صدر مدرس اور اساتذہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہماری اسکول کے بچے تعلیم کو عام کرنے کی تحریک چلا کر انھیں پڑھنا لکھنا سکھا رہے ہیں تو انھیں بے حد خوشی ہوئی۔تعلیمی سال کے آخر میں جب اسکول میں سالانہ جلسہ کا انعقاد کیا گیا تو صدر مدرس صاحب نے ان کے طلبہ کو بھی خصوصی طور پر جلسہ میں شرکت کی دعوت دی۔

سالانہ جلسہ میں وزیر تعلیم کو بطور مہمان خصوصی مدعو کیا گیا تھا۔جلسہ کے آغاز میں صدر مدرس نے اسکول کی روئیداد پیش کرتے ہوئے کہا" ہماری اسکول کی طالبہ شفق اور اس

کے ساتھیوں نے تعلیم برائے تمام اس تحریک کو نہ صرف جلا بخشی ہے بلکہ سب کے لیے ایک عمدہ مثال بھی پیش کی ہے۔ شفق اس تحریک کی محرک بنی۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو بھی اس طرف راغب کیا۔ اس طرح ہماری اسکول کے طلباء نے شہر کے دو سو طلبہ کو پڑھنا لکھنا سکھایا ہے۔ ان بچوں کو بھی آج ہم نے مدعو کیا ہے۔"

یہ سن کر وزیر تعلیم بے حد خوش ہوئے۔ انھوں نے کہا کہ نئی تعلیم پالیسی کے تحت ہماری کوشش ہے کہ طلبہ کی آزمائشی صلاحیت زیادہ سے زیادہ اجاگر ہو اور سب تعلیم یافتہ ہوں اور قابل بنیں۔ شفق اور اسکے ساتھیوں نے اس تحریک کو عام کرنے کی کوشش کی اور نتیجہ میں دو سو طلبہ میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کی۔ اس اہم خدمت کے اعتراف میں شفق کو شہر سلطان پور کی صدر معلمہ اور ان کے ساتھیوں کو معلم و معلمات کے خطاب سے نوازتا ہوں۔"

وزیر تعلیم نے اپنے ہاتھوں سے شفق اور ان کے ساتھیوں کا استقبال کیا اور دوسرے طلبہ کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے صدر مدرس سے فرمایا کہ وہ ان بچوں کا تحریری و زبانی امتحان لینے کا اساتذہ سے کہیں اور اپنی اسکول کی جانب سے انھیں اسناد سے نوازیں۔

جلسہ ختم ہوا تو اسکول کے تمام طلبہ نے شفق اور اس کے ساتھیوں سے مل کر خوشی کا اظہار کیا اور ان دو سو طلبا پر پھول کی پنکھڑیاں برسائیں ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا وہ بہاریں جوان بچوں سے روٹھ گئی تھیں سچ مچ لوٹ آئی ہوں۔

☆☆☆

پھول کھلنے دو

شکیل احمد تعلیمی محکمہ میں کلرک تھے ان کے دو بچے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام مدثر تھا اور چھوٹی بیٹی کا نام مریم۔ مدثر ساتویں جماعت کا طالب علم تھا اور ننھی مریم پانچویں جماعت میں تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ شکیل احمد ٹیچرس کالونی میں رہتے تھے۔ محلہ میں مجاہد ملت حضرت بابا تاج الدین ہائی اسکول قائم تھی لہٰذا شکیل احمد کے دونوں بچے اسی اسکول میں زیر تعلیم تھے۔

مدثر اور مریم بڑے ہونہار اور محنتی بچے تھے۔ ہمیشہ اپنی اپنی جماعتوں میں اول مقام حاصل کیا کرتے تھے۔ مدثر جہاں ہونہار اور محنتی لڑکا تھا وہیں وہ بہت نٹ کھٹ چالاک اور شریر بھی تھا۔ مریم سیدھی سادھی اور بھولی بھالی بچی تھی اسلیے مدثر اپنی چھوٹی بہن مریم کو کبھی خاطر میں نہ لاتا تھا۔ یوں بھی وہ لڑکیوں سے بہت چڑتا تھا۔ جماعت کی لڑکیاں اکثر و بیشتر اسکی شکایت لے کر اپنے استاد کے پاس جایا کرتی تھیں۔ مدثر کو لڑکیوں کی تعریف سننا بالکل پسند نہ تھا۔ جب کبھی کوئی ان کی ترقی اور کامیابی کا ذکر کرتا تو مدثر کی پیشانی پر بل آجاتے۔ اُس کا خیال تھا کہ لڑکی ایک کمزور ہستی کا نام ہے وہ کبھی لڑکوں کے شانہ بہ شانہ چل کر مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دنیا میں ترقی تو بس مردوں کے دم خم سے ہی ہوتی ہے۔ وہ انہیں کمتر سمجھ کر حقارت کی نظروں سے دیکھتا اور ہمیشہ انہیں نیچا دکھانے کی کوشش کیا کرتا

تھا۔اسی لیے وہ لڑکیوں کے حلقے میں گھمنڈی کے نام سے مشہور تھا۔

گھر میں مریم سے بھی اسکی ایک نہ بنتی تھی۔جب کبھی وہ مدثر کے کسی کام میں مدد کرنے کی کوشش کرتی تو وہ ڈانٹ دیتا۔"تم لڑکی ہو یہ تمہارا کام نہیں"۔اگر وہ امی سے کسی خواہش کا اظہار کرتی تو منہ چڑا کر کہتا "تم لڑکی کو فلاں چیز کی ضرورت کیوں آن پڑی"۔مریم کی سہلیاں گھر آتیں اور مریم سے ساتھ چلنے کے لیے کہتیں تو امی کی اجازت ملنے سے قبل ہی مدثر یہ کہہ کر ٹانگ اڑا دیتا کہ لڑکی کو زیادہ سیر سپاٹے نہیں کرنے چاہئیں۔مریم غصہ سے کبھی اُسے معقول جواب دے دیتی تو مدثر لال پیلا ہو جاتا اور کہتا بڑوں سے زبان لڑانا اچھی بات نہیں۔غرض کہ مدثر گھر میں ہمیشہ رعب جماتا اور مریم کو اسکی کمتری کا احساس دلاتا رہتا تھا۔مدثر کے امی اور ابو اُسے ہمیشہ ڈانٹتے اور مریم سے مشفقانہ سلوک کرنے کے لیے کہتے۔لیکن مدثر پر ان باتوں کا کوئی اثر نہ ہوتا۔

مریم یوں تو سیدھی سادھی لڑکی تھی لیکن مدثر کے حاکمانہ رویہ نے اُسے ضدی بنا دیا تھا وہ اب مدثر کی ہر بات کی ضد میں اپنی خواہش منوانے کی کوشش کرتی اُس میں رشک کا جذبہ جاگ چکا تھا۔اسکول میں ہونے والی ہر تہذیبی و ثقافتی سرگرمی میں وہ پیش پیش رہتی۔

اب کبھی مدثر اُسے اسکول کے کسی پروگرام میں حصہ لیتے دیکھ لیتا تو ناک بھوں چڑھاتا تو وہ کہتی میں لڑکی ہوں تو کیا ہوا مجھے بھی اپنی خواہشات اور ضرورتوں کو پورا کرنے کا حق ہے۔میرے لیے بھی ترقی کی راہیں کھلی ہیں،تمہاری طرح میری بھی ہر بات کو اہمیت ملنی چاہیے۔

ایک روز اسکول کے صدر مدرس نے تعلیمی سیر کے لیے لونار جھیل جانے کا اعلان کیا۔

سبھی بچے اس اعلان کو سن کر بہت خوش ہوئے۔ مدثر نے تو گھر آ کر چند منٹوں میں ہی اپنے والد صاحب سے اجازت لے لی اور صدر مدرس کے پاس اپنا نام درج کرا دیا۔ مریم کی سہیلیاں بھی تعلیمی سیر کے لیے جا رہی تھیں لہٰذا جب مریم نے اپنی امی سے لونار جھیل جانے کی خواہش ظاہر کی تو مدثر نے احتجاج میں آواز بلند کی لیکن مریم کہاں ماننے والی تھی آخر اسکی ضد نے امی کو منوا ہی لیا۔ تعلیمی سیر سے واپسی کے بعد مضمون نویسی کا مقابلہ منعقد کیا گیا۔ اس مقابلہ میں "ہم نے دیکھی لونار جھیل" اس عنوان کے تحت تمام بچوں نے مضامین لکھے۔

مقابلہ مضمون نویسی کے نتائج کا جب اعلان ہوا تو مریم کی سہیلی راحت نے اوّل مقام حاصل کیا۔ راحت کے نام کا اعلان ہوتے ہی خصوصاً لڑکیوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

ایک مرتبہ صدر مدرس صاحب نے پیش درس کے دوران بچوں سے کہا "انجمن فلاح المسلمین" چند مدارس میں ڈرائنگ مقابلوں کا انعقاد کر رہی ہے۔ اسکے لیے تنظیم کے عہدیداران و ارکین نے ہماری اسکول کا بھی انتخاب کیا ہے۔ اس مقابلہ میں اوّل مقام حاصل کرنے والے طالب علم کو خوبصورت مومینٹو بطور انعام دیا جائے گا اور مقابلہ میں شریک تمام طلبہ کو اسناد دی جائیں گی۔ انہوں نے سبھی بچوں کو مقابلہ میں حصہ لینے کے لیے کہا۔ مدثر یہ اعلان سن کر تو بہت خوش ہوا کیونکہ وہ جہاں تدریسی مضامین میں دلچسپی لے کر امتیازی نمبرات حاصل کیا کرتا تھا وہیں وہ ایک اچھا آرٹسٹ بھی تھا۔ خوب اچھی اچھی تصویریں بناتا تھا۔ اس کے استاد اور ساتھی اسکے ہاتھوں بنائی گئی تصویروں کی خوب تعریف کیا کرتے تھے اسلیے جیسے ہی اس نے امی سے ڈرائنگ مقابلہ میں شرکت کی خواہش ظاہر کی تو امی نے فوراً حامی بھر دی اور اسکی داخلہ فیس بھی ادا کر دی۔ مدثر کے مقابلہ

میں مریم کی ڈرائنگ کچھ بہتر نہ تھی لیکن وہ بھی اس مقابلہ میں حصہ لینے کی خواہش مند تھی۔

اس دوران اُس نے کئی مرتبہ اپنی ڈرائنگ کاپی نکال کر اپنے ہاتھوں بنائی گئی تصویروں کا جائزہ بھی لیا تھا وہ امی سے اپنی خواہش کے اظہار کے لیے مناسب خوش گوار موقعہ تلاش کر رہی تھی۔

ایک دن جب صبح اُس نے امی کو خوش وخرم دیکھا تو بڑے پیار سے پوچھ بیٹھی "امی امی آپ نے میری ڈرائنگ کاپی تو دیکھی ہے نا؟"

"دیکھی تو ہے -- کیوں --" مریم کچھ توقف کے بعد بولی۔

"آپ نے میرے ہاتھوں بنائی گئی تصویروں کی تعریف بھی کی تھی"

امی نے مسکراتے ہوئے کہا -- "ہاں ہاں کی تو تھی --؟ آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو --؟" "یہی کہ میں بھی ڈرائنگ مقابلہ میں حصہ لینا چاہتی ہوں۔" ابھی اسکی امی اپنی رائے دینا ہی چاہ رہی تھی کہ مدثر کی آواز گونجی۔

"مریم تمہاری ڈرائنگ کاپی میں بھی دیکھ چکا ہوں لیکن جماعت میں تختہ سیاہ پر دیکھ کر بھی تو تصویریں تم اچھی نہیں بنا پاتی ہو۔ پھر بھلا ڈرائنگ مقابلہ میں کیا خاک تصویریں بناؤ گی"۔

"بھائی جان آپ چپ رہیے۔ میں امی جان سے بات کر رہی ہوں۔" "امی جان مقابلہ میں ہار جیت تو ہوتی ہی ہے اب دیکھیے نا۔"

ہماری اسکول سے بیشتر طلبہ مقابلہ میں شریک ہو رہے ہیں لیکن ان میں وہی ایک طالب علم انعام کا مستحق قرار پائے گا جس کی ڈرائنگ سب سے اچھی ہوگی۔ حالانکہ سبھی بچوں کی کوشش ہوگی کہ وہ اوّل نمبر آئیں اور مقابلہ میں یہی خواہش اور کوشش ہمیں بہت

کچھ سیکھنے کا موقعہ فراہم کرتی ہے۔ تھوڑی دیر خاموشی کے بعد پھر وہ کہنے لگی۔

"ہمارے استاد تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ مقابلے میں شریک طلبہ کو جو سرٹیفکٹ دیے جائیں گے وہ مستقبل میں آپ کے کیریئر بنانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

مدثر بول پڑا -- "کیریئر بنانے کی فکر تو ہم لڑکوں کو ہوتی ہے تم جیسی لڑکیوں کو یہ فکر کب سے ہونے لگی۔

مریم تنک کر بولی -- "کیوں--؟ کیا لڑکیوں کو اپنا کیریئر نہیں بنانا چاہیے؟"

مریم کی امی نے جب دونوں کو آپس میں الجھتے ہوئے دیکھا تو مدثر کو ڈانٹا-- اور مریم کو اشارہ کرتے ہوئے خاموش رہنے کے لیے کہا۔ مریم خاموش ہوگئی۔ امی کے اشارے سے وہ سمجھ گئی تھی کہ اُسے مقابلے میں شرکت کی اجازت مل گئی ہے۔ دوسرے دن مریم نے ڈرائنگ مقابلہ کے لیے فیس ادا کردی اور اپنا نام درج کرادیا۔

مریم نے امی ابو اور مدثر کے نہ چاہتے ہوئے بھی مقابلے میں حصہ لے لیا تھا لیکن اب وہ اس الجھن میں مبتلا تھی کہ وہ بہتر سے بہتر ڈرائنگ کس طرح بنا سکے گی اور مقابلے کی تیاری کے لیے آخر کون اسکی رہنمائی کرے گا۔ وہ ابھی ان ہی خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ اُسے اچانک سلمیٰ آنٹی کا خیال آیا۔

"سلمیٰ آنٹی۔۔۔۔ پچھلے ماہ ہی تو وہ مٹھائی لیکر گھر آئی تھیں انہوں نے ڈرائنگ--! ہاں۔ ہاں شاید ڈرائنگ امتحان میں ہی نمایاں مقام حاصل کیا ہے وہ تو امی کی اچھی سہیلی ہیں"۔

مریم جب اسکول سے گھر آئی تو اس نے امی سے سلمیٰ آنٹی کے متعلق پوچھا۔

"امی۔ امی۔ آپ کی سہیلی سلمیٰ آنٹی۔۔۔۔"

ہاں۔۔۔ہاں۔۔کیا ہوا انہیں۔۔کیا تمہاری اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔۔۔نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔میں یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ کیا وہ ڈرائنگ مقابلے میں میری مدد کر سکیں گی۔

"ارے ہاں-- مجھے یاد آیا وہ تو تمہاری خوب مدد کرے گی۔اُس نے تو بیچلر آف فائن آرٹس کیا ہے--- پوری یونیورسٹی میں اوّل آئی ہیں۔ بہت ذہین ہیں اور علم حاصل کرنے کا بہت شوق بھی ہے تب ہی تو شادی ہو جانے کے بعد بھی حصولِ تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھا ہے"۔

دوسرے دن مغرب کی نماز کے بعد مریم نے امی سے سلمیٰ آنٹی کے گھر چلنے کے لیے کہا۔دونوں جب اچانک سلمیٰ آنٹی کے گھر پہنچے تو سلمیٰ اچانک اپنے گھر آئی سہیلی کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

دونوں نے اپنے بچپن کے دنوں کو یاد کیا اور خوب باتیں کیں۔پھر مریم کی امی نے اُن کے گھر آنے کا مدعا بیان کیا۔

"سلمیٰ تم تو جانتی ہو میری بیٹی مریم پانچویں جماعت میں پڑھ رہی ہے۔اس نے ڈرائنگ مقابلہ میں حصہ لیا ہے۔ چند دنوں بعد امتحان ہونے والا ہے۔مریم کی ڈرائنگ مدثر کی بہ نسبت اچھی نہیں ہے لیکن اسکی خواہش تھی کہ وہ بھی مقابلے میں حصہ لے۔میں نے سوچا تم ضرور اسکی مدد کرو گی"۔

واہ-- واہ۔کیوں نہیں۔۔۔مجھے مریم بیٹی کی مدد کر کے بہت خوشی ہو گی۔بیٹی مریم تم روزانہ مغرب کے بعد آجایا کرو میں تمہاری ضرور رہنمائی کروں گی۔گھر آ کر مریم نے مدثر سے بھی کہا کہ وہ بھی سلمیٰ آنٹی کے گھر ساتھ چلا کریں۔لیکن مدثر نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میری ڈرائنگ تو بہت اچھی ہے۔مجھے کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے۔

اب مریم روزانہ اسکول سے گھر لوٹنے کے بعد شام میں سلمیٰ آنٹی کے گھر جانے لگی اور ڈرائنگ مقابلے کی تیاری کرنے لگی۔

وقت پر لگا کر اُڑتا رہا--- آخر وہ دن بھی آ گیا جس دن کے لیے مریم نے دن رات ایک کر دیے تھے اس دن صبح ہی انجمن فلاح المسلمین کے عہدیداران و اراکین اسکول پہنچ چکے تھے تاکہ امتحان کی کاروائی مکمل ہو سکے۔

ٹھیک گیارہ بجے ڈرائنگ مقابلہ شروع ہو گیا۔ دو گھنٹے کے بعد جب بچے امتحان ہال سے باہر نکلے تو سبھی کے چہروں پر مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں۔ مریم تو بہت خوش تھی۔ اُسے پورا اطمینان تھا کہ وہ ضرور اس مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ نمبرات حاصل کرے گی۔ تنظیم کے عہدیداران نے دوسرے ہی ہفتہ ڈرائنگ مقابلہ کے نتائج ظاہر کرنے کا اعلان کر دیا۔

سنیچر کے دن مدرسے میں بڑی گہما گہمی تھی۔ محمد علی جوہر ہال میں تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد ہونے جا رہا تھا۔ جیسے ہی مہمان مسند نشین ہوئے جلسہ کا آغاز ہو گیا۔ تنظیم کے صدر نے اسکول کے صدر مدرس صاحب سے ڈرائنگ مقابلہ کے نتائج ظاہر کرنے کی گذارش کی۔

صدر مدرس صاحب اپنی نشت سے اُٹھ کر مائک پر آئے اور کہا "ڈرائنگ مقابلہ کے امتحان سے قبل لڑکوں میں یہ بات گشت کر رہی تھی کہ اُن ہی میں سے کوئی لڑکا اوّل انعام حاصل کرے گا۔ اُن کا یہ خیال درست بھی تھا کیونکہ لڑکیوں کی بہ نسبت اکثر و بیشتر لڑکوں کی ڈرائنگ بہت اچھی ہے لیکن کہتے ہیں کہ محنت کامیابی کی کنجی ہے۔ اس بات کو پانچویں جماعت کی ایک ننھی سی بچی نے کر دکھایا۔ اس ننھی سی بچی کا نام ہے مریم۔۔۔!

مریم کا نام سنتے ہی لڑکوں کے چہروں سے ہوائیاں اُڑنے لگیں اور لڑکیوں کی تالیوں

سے ہال گونج اٹھا۔

صدر مدرس صاحب نے مزید کہا۔

"میں انجمن فلاح المسلمین کے عہدیداران و اراکین اور اساتذہ کی جانب سے مریم کو مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ یہاں آئے اور صدر تنظیم سے اپنا انعام حاصل کریں۔

مریم خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ تالیوں کی گڑگڑاہٹ کے بیچ اس نے انعام حاصل کیا۔

مریم جب انعام حاصل کر رہی تھی تب لڑکوں نے دیکھا کہ مدثر کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی۔ اپنی بہن مریم کو انعام حاصل کرتے دیکھ اسکے دل میں بھی خوشی کے جذبات اُمڈ رہے تھے جیسے ہی جلسہ کا اختتام ہوا مریم کو مبارک باد دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ مدثر بھی ایک جذبے کے تحت اٹھا اور لڑکیوں کے غول میں چلا گیا۔ سبھی لڑکے حیرت زدہ تھے وہ بھی اسکے پیچھے پیچھے ہو لیے۔ مدثر نے مریم کو مبارکباد دی اور لڑکیوں سے کہا---

"میں آپ سبھی سے معافی چاہتا ہوں میں نے ہمیشہ تمہیں کمتر سمجھا اور نیچا دکھانے کی کوشش کی لیکن میری سوچ غلط تھی۔ مریم نے میری آنکھیں کھول دیں۔ ہم سب کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ مقابلے میں شرکت کا حق سب کو ہے اور وہی نمایاں مقام حاصل کرتا ہے جو محنت کرتا ہے۔ مدثر کے مزاج میں اچانک تبدیلی دیکھ کر سبھی لڑکیاں خوش ہو گئیں۔ مدثر نے اپنی بہن کو گلے لگا لیا۔ اور ایک بار پھر لڑکے لڑکیوں نے مل کر زوردار تالیوں سے مریم کی حوصلہ افزائی کی---!!!

☆☆☆

اور گرد صاف ہوگئی

جب سے شبیر صاحب کا تبادلہ ایک چھوٹے سے گاؤں میں ہوا تھا وہ محسوس کر رہے تھے کہ ان کی بیٹی نگار بہت اداس اداس رہتی ہے۔ وہ اسکول میں بھی جماعت کے ساتھیوں کے ساتھ گھل مل کر نہیں رہتی بلکہ ہمیشہ تنہا دکھائی دیتی ہے۔ اس دن جب نگار کی امی سے انھوں نے نگار کی خاموشی اور اداسی کی وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ہماری بیٹی کو اپنی سہیلیوں سے بچھڑنے کا غم ہے۔ یہ سن کر شبیر صاحب کچھ دیر کے لیے خود بھی اداس ہو گئے۔

وہ ضلع پریشد اسکول میں مدرس تھے اور گذشتہ پانچ سالوں سے اپنے ہی وطن کے ایک اسکول میں مدرسی کر رہے تھے مگر چند دنوں پیشتر ان کا جب اچانک تبادلہ وطن سے دور ایک گاؤں میں کر دیا گیا تو شبیر صاحب اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ اس گاؤں میں آ بسے انھوں نے اپنی بیٹی نگار کا نام وطن کی اسکول سے خارج کر کے اس کا داخلہ بھی گاؤں کی اسی اسکول میں کر دیا جہاں ان کا تبادلہ ہوا تھا۔

نگار کی امی نے جب شبیر صاحب کو اداس دیکھا تو کہا" یہاں اسے نیا ماحول اور نئے ساتھی ملے ہیں گاؤں کے ماحول میں ڈھلنے کے لیے اسے وقت لگے گا لیکن فکر مت کیجئے کچھ دنوں بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" شبیر صاحب کہنے لگے" صفیہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ مگر

ذرا سوچو میں تو ضلع پریشد میں مدرس ہوں میرے تبادلے تو اسی طرح ہوا کریں گے پھر ہمارے بچوں کا کیا ہوگا کیا وہ یوں ہی تعلیم حاصل کرنے کے لیے میرے ساتھ اسکولیں بدلتے رہیں گے اور نئے نئے ساتھیوں اور ماحول سے ہم آہنگ ہوتے رہیں گے یہی حال رہا تو یقیناً ان کی تعلیم پر بھی اثر پڑے گا میرا خیال تو یہ ہے کہ ہم اپنی بیٹی نگار کو اس کی نانی جان کے یہاں رکھ چھوڑیں اور وہاں کی اچھی اسکول میں داخلہ دلا دیں تاکہ وہ اپنی تعلیم پر پوری توجہ دے اور یکسوئی کے ساتھ ایک ہی اسکول میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرسکے۔" "مگر اس کے بنا۔۔۔۔۔۔۔۔۔" صفیہ کہتے کہتے رک گئیں۔

نہیں صفیہ ہمیں تعلیم کی خاطر اس کی جدائی برداشت کرنی ہی پڑے گی۔ دوسرے دن شبیر صاحب نے اپنی اسکول سے اس کا نام خارج کر دیا۔ جب نگار کو پتہ چلا کہ وہ اب نانی جان کے ہی گھر رہے گی اور وہیں تعلیم حاصل کرے گی تو ایک لمحہ کے لیے اسے ماں باپ سے بچھڑنے کا احساس ضرور ہوا لیکن اچھی اسکول میں اس کا داخلہ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دی یوں بھی وہ ہمیشہ موسم گرما کی تعطیلات نانی جان کے ہاں ہی گزارا کرتی تھی اس لیے وہ وہاں کے ماحول سے آشنا تھی علاوہ ازیں نانی جان کے پاس پڑوس میں رہنے والی چند لڑکیوں کی قربت بھی اسے حاصل تھی۔ اتوار کے دن نگار کے والد اور والدہ نگار کو ساتھ لیے نانی جان کے شہر آئے یہاں انھوں نے چاند بی بی اردو پرائمری اسکول میں نگار کا داخلہ چوتھی جماعت میں کر دیا اور نگار کو نانی جان کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ چاند بی بی اردو پرائمری اسکول کے احاطے میں ہی ہائی اسکول اور جونیئر کالج بھی قائم تھے یہاں اول جماعت میں داخلہ لینے

والا بچہ بارھویں جماعت تک تعلیم با آسانی حاصل کرسکتا تھا۔ یہاں کا نظم وضبط اور تعلیمی معیار بھی اچھا تھا۔ البتہ یہ اسکول نانی جان کے گھر سے کچھ فاصلے پر ضرور تھا۔

نگار نے نانی جان کے گھر کے ایک کمرے میں اپنا سامان قرینے سے سجا دیا۔ نگار کے ماموں جان کا انتقال تو ان کے بچپن ہی میں ہو چکا تھا۔ دو سال قبل نانا جان بھی اللہ کو پیارے ہو گئے تو نانی جان اس لمبے چوڑے گھر میں اکیلی رہ گئیں۔ وہ بڑی سیدھی سادھی اور باخلاق خاتون تھیں، پڑھی لکھی نہ تھیں اور پرانے رسم ورواج اور خیالات کو ابھی بھی اپنائے ہوئے تھیں۔

دوسرے دن نگار اسکول جانے کے لیے تیار ہو کر جب نانی جان کے کمرے میں انھیں سلام کرنے کے لیے داخل ہوئی تو دیکھا وہ خود بھی اسکے ساتھ چلنے کے لیے تیاری میں مصروف ہے۔ نگار کو دیکھتے ہی کہنے لگیں۔

"تم اکیلی اسکول نہیں جایا کروگی، میں خود تمہیں روزانہ اسکول چھوڑ آؤں گی۔"

اس گھر میں تو بس ایک ہی حکم چلتا تھا۔۔۔۔۔نانی جان کا حکم۔ گھر میں دوسرا فرد تھا بھی نہیں کہ اسکے سامنے فریاد پیش کی جا سکے لہذا بلا چوں چرا نانی جان کا حکم مان کر اس پر عمل کر لیا جاتا۔ اب وہ روزانہ نانی جان کے ساتھ اسکول جاتی اور چھٹی ہوتے ہی اپنی سہیلیوں کے ساتھ گھر آجاتی یہی اس کا معمول تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تین ماہ کا عرصہ پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ ایک دن کی بات ہے نگار معمول کے مطابق جب تیار ہو کر نانی جان کے کمرے میں گئی تو دیکھا نانی جان سو رہی ہیں اور ان کا بدن بخار سے تپ رہا ہے۔ اسنے فوراً شگفتہ آنٹی کو آواز دی۔ شگفتہ خود ڈاکٹر تھیں اور پڑوس ہی میں رہا کرتی تھیں جیسے ہی نگار کی آواز سنی دوڑی

دوڑی آئیں نانی جان کا معائینہ کر کے اپنے پاس کی گولیاں دیں اور آرام کرنے کی ہدایت دیکر جانے کے لیے اٹھی ہی تھیں کہ نانی جان نے اس کا ہاتھ پکڑلیا اور کہنے لگیں۔

"بیٹا جب تک میری طبیعت سنبھلتی نہیں ہے تم میری نگار کو اسکول پہنچا دیا کرو نگار دل ہی دل میں سوچ رہی تھی شگفتہ آنٹی یوں بھی بہت مصروف رہتی ہیں انھیں زحمت دینے کی کیا ضرورت ہے۔وہ خود اکیلی اسکول چلی جایا کرے گی لیکن نانی جان کو سمجھائے کون؟ شگفتہ نے کہا نانی جان آپ نگار کی فکر کیوں کرتی ہیں میں خود اسے اسکول پہنچا دیا کروں گی۔

"بیٹا نگار چلو میں تمہیں اسکول چھوڑ آتی ہوں یہ کہہ کر شگفتہ نے نگار کی انگلی تھامی اور نکل پڑیں۔ابھی یہ دونوں گھر سے نکل کر محلّے کی گلی کے نکڑ پر آئے ہی تھے کہ نگار نے دیکھا ایک بلی ان کے سامنے سے راستہ کاٹتی ہوئی گذر گئی ہے۔نگار نے جب یہ منظر دیکھا تو ایک لمحے کے لیے وہ چونک پڑی اور شگفتہ کے ہاتھ سے انگلی کھینچ کر اپنی جگہ کھڑی ہوگئی۔

شگفتہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اس کے مسکراتے ہوئے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی تھی؛

"کیوں کیا ہوا۔پیر میں کانٹا چبھ گیا ہے کیا؟" ارے آنٹی آپ نے دیکھا نہیں۔ابھی ابھی ایک بلی نے ہمارا راستہ کاٹ دیا ہے۔"

ہاں ہاں تو کیا ہوا اس طرح کے جانور ادھر ادھر تو گھومتے ہی رہتے ہیں۔شگفتہ نے لا پرواہی سے جواب دیا۔ہائے اللہ۔آنٹی میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔دوسرے جانوروں کی بات اور ہے۔یہ بلی ہے بلی۔!! اگر یہ راستہ کاٹ دیتی ہے تو ہمارا آگے جانا گویا کوئی مصیبت مول لینا ہے۔اب میں اگر اسکول چلی جاؤں تو ضرور میرے ساتھ بھی کچھ برا ہوگا۔

"تو کیا آج تم اسکول نہیں جاؤ گی۔شگفتہ نے تعجب سے پوچھا۔"نہیں۔آنٹی آج میں اسکول نہیں جاسکتی جب جب بھی بلی ہمارا راستہ کاٹتی ہے نانی جان مجھے گھر واپس لے آتی ہیں۔یہ سن کر شگفتہ نے زوردار قہقہہ لگایا۔اچھا تو پھر تم اس طرح خوب چھٹیاں منالیتی ہو گی۔ہاں ہاں کیوں نہیں کچھ برا ہونے سے تو اچھا ہے گھر پر ہی آرام کرلیا جائے۔

اب دیکھیے نا کل ہی کی تو بات ہے نانی جان فجر کے بعد دودھ لانے جارہی تھیں ایک بلی نے ان کا راستہ کاٹ دیا۔لیکن اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ دیکھ نہ سکیں اور آگے بڑھ گئیں بعد میں انھیں احساس ہوا تو گھر آکر بہت پچھتائیں لیکن اب پچھتانے سے کیا ہوگا۔ان کے ساتھ کچھ برا ہونا ہی تھا آج آپ نے دیکھ لیا۔صبح سے بستر پر ہیں اور بدن بخار سے تپ رہا ہے۔

"اچھا تو اس لیے تمہاری نانی جان کو بخار آیا ہے؟ شگفتہ نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔لیکن تمہیں کچھ نہیں ہوگا تم آج اسکول ضرور جاؤ گی۔یہ کہہ کر شگفتہ نے نگار کا ہاتھ زور سے دبوچ کر اسے اپنی جانب کھینچ کر چلنے لگی۔

ارے۔ارے۔لیکن۔!! نگار چلائی۔لیکن ویکن کچھ نہیں۔ارے پگلی سب وہم ہے آج ہم سائنس اور ٹیکنالاجی کے دور میں ترقی کی منزلیں طے کر رہے ہیں۔نانی جان کے ذہن و دل پر فرسودہ خیالات کے گہرے اندھیروں نے پردہ ڈال رکھا ہے وہ تعلیم یافتہ بھی نہیں ہیں لیکن تم تو تعلیم حاصل کر رہی ہو۔سمجھدار بھی ہو کیا تم بھی ان کے خیالات کی حمایت کرنے لگی۔تمہیں سوچنا چاہیے اللہ کی مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہوتا پھر یہ معمولی جانور معاذ اللہ ہماری تقدیر کا کاتب کب سے بن بیٹھا۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا ہے اس

نے ہمیں عقل، فہم اور فراست عطا کی ہے۔ دنیا میں یہ ساری مخلوقات اور چیزیں ہماری ضروریات اور فائدے کے لیے بنائی گئی ہیں۔

شگفتہ یہ باتیں ابھی نگار سے کر ہی رہی تھیں کہ مدرسہ آ گیا۔ نگار پھر ایک لمحہ کے لیے رک کر اپنی آنٹی کو دیکھنے لگی گویا کہہ رہی ہو۔ آنٹی میں پہلی بار بلی کے کاٹے ہوئے راستے سے آگے بڑھ کر اسکول آئی ہوں۔

بیٹا تم فکر نہ کرو۔ ہمارا حامی و ناصر اور محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے انشاءاللہ ہمیں کچھ نہیں ہوگا شوق سے جاؤ اور دلچسپی کے ساتھ پڑھو۔ آنٹی کے اسرار پر نگار اسکول کے احاطہ میں داخل ہو گئی اور شگفتہ سلامتی کا ہاتھ ہوا میں ہلا کر گھر لوٹ آئی شام میں نگار جب اسکول سے گھر واپس لوٹی تو اس کی سہیلیاں بھی اس کے ساتھ تھیں نگار کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ گھر آ کر اس نے اپنا بستہ تپائی پر رکھا نانی جان کو آواز دی۔ لیکن وہ سو رہی تھیں۔ وہ دوڑی دوڑی پڑوس میں شگفتہ آنٹی کے ہاں چلی گئی۔ آنٹی۔ آنٹی۔ آج تو غضب ہو گیا۔ کیا ہوا۔ کیا کوئی آفت ٹوٹ پڑی۔ شگفتہ نے باورچی خانے سے آواز لگائی۔

نہیں۔ نہیں۔ آنٹی۔ یہ دیکھیے میری مارک شیٹ آج اسکالرشپ کا رزلٹ آیا۔ ہماری جماعت سے پندرہ لڑکیوں نے امتحان میں شرکت کی تھی ان میں سے سب سے زیادہ نمبرات مجھے ملے ہیں اس نے یہ سب ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔

ارے واہ کیا بات ہے۔ مبارک ہو۔ شگفتہ نے اسے اپنے پہلو میں سمیٹتے ہوئے کہا۔

"اور پتہ ہے آج ہماری اسکول میں ایک جلسہ بھی ہوا اس جلسے میں ہم سب کو مہمانوں کے ہاتھوں یہ مارک شیٹ دی گئی۔ میری نمایاں کامیابی پر بچوں نے خوب تالیاں

بجائیں سبھی مہمانوں اور اساتذہ نے مجھے پیار کیا آج مجھ سے سبھی خوش تھے۔

"اور وہ بلی"۔ شگفتہ نے ٹہوکا دیکر پوچھا۔

نگار کے ذہن پر جمی ہوئی دقیانوسی خیالات سے پیدا ہوئے وہم کی گرد صاف ہو چکی تھی اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آنٹی آج مجھے یقین ہوگیا ہے وہ بلی وِلی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہمارا اچھا برا کرنے والی صرف اللہ کی ذات ہے۔ اور مزیدار بات سنیے۔" کہو۔ کہو۔! وہ بلی ہے نا۔ جو ہمیشہ راستہ کاٹا کرتی تھی آج جب ہم اسکول سے لوٹ رہے تھے تو دیکھا وہ راستہ پر مری پڑی ہے۔

شگفتہ نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور مسکراتے ہوئے شفقت آمیز لہجہ میں پوچھا۔ نگار اب تم ہی بتاؤ آج کا دن تمہارے لیے منحوس تھا یا پھر وہ بلی کے لیے۔ اس بلی کا راستہ کس نے کاٹا تھا؟

یہ سن کر نگار کھل کھلا کر ہنس پڑی اور پھر دیر تک ہنستی رہی!!

☆☆☆

انصاف کی بات

انصار صاحب کو دو ہی بچے تھے کاشف اور طلعت۔ طلعت تو نہایت شرمیلی سی بھولی بھالی بچی تھی جو گھر کے کسی کونے میں ابو کے ہاتھوں لائے پلاسٹک کے ننھے منے برتنوں کو سجانے اور گھر کے کونے کو گھر بنانے میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ مصروف رہتی لیکن کاشف جسے گھر میں اسکے ابو اور امی لاڈ و پیار سے چنٹو کہا کرتے تھے۔ بڑا ہی نٹ کھٹ اور شریر تھا گھر میں ایک پل نہ ٹھہرتا۔ مئی کی تیز دھوپ اور شدت کی گرمی میں امی سے اجازت لیے بغیر کھیلنے کے لیے چپکے سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ ایک روز جب اسکے ابو کو پتہ چلا تو انہوں نے کاشف کو گھر ہی میں رہنے کی سخت تاکید کر دی۔ تب سے وہ بھی اپنے دوستوں کو گھر ہی بلا لیا کرتا۔ جیسے ہی کاشف کے دوست آجاتے گھر میں دھوم دھڑاکا اور ہنسی شرارتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور انصار صاحب کا گھر کرکٹ کا میدان بن جاتا۔ بچوں کی یہ دھینگا مشتی عصر کی اذان سے قبل تک جاری رہتی جوں ہی عصر کی اذان ہوتی کاشف اور طلعت کے ساتھی اپنے اپنے گھر چلے جاتے۔ ان کے جاتے ہی سناٹا چھا جاتا۔ کاشف ٹھنڈے ٹھنڈے پانی سے دیر تک نہاتا، غسل خانے سے آتے ہی سب سے پہلے اسکی نگاہ گھڑی کی جانب جاتی۔ اسکے ابو روزانہ چھ بجے آفس سے گھر آیا کرتے تھے۔ گھر لوٹتے وقت وہ اپنے بچوں کے لیے روزانہ پھل وغیرہ ضرور خرید لاتے۔ اس لیے کاشف کو اپنے ابو کا بڑی بے صبری سے

انتظار ہوتا تھا۔شام کے چھ بجتے ہی وہ راستے سے گزرنے والی ہر اسکوٹر کی آواز پر چونک اُٹھتا جیسے ہی اُن کی اسکوٹر صحن میں داخل ہوتی وہ ابو کے ہاتھوں سے بیگ لے لیتا۔یہی اسکا روزانہ کا معمول تھا۔

کاشف کو انگور بہت پسند تھے۔دو روز قبل جب اسکے ابو انگور لائے تو انگور کے خوشے دیکھ کر اسکے منہ میں پانی بھر آیا۔اس دن اس نے سارے انگور خود ہی اُڑا لیے۔بے چاری طلعت اس کا منہ تکتی رہ گئی۔طلعت نے امی سے جب اپنا دکھڑا سنایا تو امی نے کاشف کو بہت ڈانٹا اور اسکے ابو سے شکایت بھی کی۔

آج بازار کا دن تھا۔ابو نے کاشف سے آم لانے کا وعدہ کیا تھا۔اپنے معمول کے مطابق کاشف دروازے کی دہلیز پر کھڑا ابو کا انتظار کر رہا تھا۔جیسے ہی اسکے ابو کی اسکوٹر آنگن میں داخل ہوئی کاشف چلا اُٹھا۔ابو آئے ابو آئے لیکن یہ کیا۔۔؟ آج تو ابو نے بیگ میری طرف بڑھانے کی بجائے اپنے ہی پاس رکھی اور خود ہی بیگ لیے گھر میں داخل ہو رہے ہیں۔تب ہی اُسے خیال آیا ---

''کل امی نے اسکی شکایت جو کی تھی۔شاید یہ اسی کا ردِ عمل ہے۔وہ مایوس ہو کر ابو کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی ابو نے آموں سے بھری بیگ کو الماری کے اوپر رکھ دیا اور خود ہاتھ مُنہ دھونے کے لیے غسل خانے میں چلے گئے۔ادھر کاشف اور طلعت حیران تھے اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آج آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے۔بے چارے دونوں الماری کے سامنے کھڑے ہو کر پہرہ دینے لگے۔جب ابو تولیہ سے ہاتھ منہ صاف کرتے ہوئے بیٹھک کے کمرے میں آئے تو کاشف سے کہا---

"چنٹو جاؤ ---امی سے چاقو مانگ کر لے آؤ۔

طلعت تم بھی جاؤ اور طشتریاں لے آؤ۔ کاشف نے طلعت کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھا اور دونوں باورچی خانے کی جانب چل پڑے۔ کاشف منہ بناتا ہوا چاقو لے آیا۔ طلعت بھی طشتریاں صاف کرتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور دونوں ابو کے سامنے بیٹھ گئے۔ طلعت سوچ رہی تھی، ابو بلا وجہ آم کاٹ رہے ہیں ہمیں ایک ایک آم مل جاتا تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ کاشف سوچ رہا تھا کہ آم آخر تربوز کی طرح تو نہیں ہیں کہ انہیں بھی کاٹ کر دیئے جائیں۔

انصار صاحب نے کاشف کی امی کو آواز دی وہ بھی سر پر ڈوپٹہ ڈالتے ہوئے آئیں اور چنٹو کے بازو میں بیٹھ گئیں۔ انصار صاحب نے اپنی بیگ سے دو آم نکالے اور دونوں کو یکساں طور پر چاقو سے کاٹ دیا اور ایک آم کا آدھا اور دوسرے آم کا آدھا حصّہ طلعت کی جانب بڑھا دیا۔ طلعت نے مسکراتے ہوئے کاشف کی طرف دیکھا اور ابو سے اپنا حصّہ لے کر امی کے پہلو میں جا کر بیٹھ گئی۔

کاشف نے بھی طلعت کو دیکھ کر مسکرا دیا اور امی کے کانوں میں سرگوشی کی۔ یہ دیکھ کر ابو نے کاشف کی امی سے پوچھا۔

"چنٹو کیا کہہ رہا ہے"؟ امی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کہہ رہا ہے ابو ہر چیز سب سے پہلے طلعت ہی کو کیوں دیتے ہیں۔ یہ سن کر اس کے ابو نے کہا۔

چنٹو --- طلعت لڑکی ہے اور تمہاری چھوٹی بہن ہے۔ اس لیے ہمیشہ اُسے ہی فوقیت ملنی چاہیے۔ یہ کہتے ہوئے انصار صاحب نے کاشف کی جانب آموں کے دونوں حصّے بڑھا دیے۔ چنٹو نے اپنا حصّہ لے لیا۔ لیکن ایک بات اب بھی اُسے بے چین کر رہی

تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک اپنے حصے کو دیکھتا رہا --- آخر اس سے رہا نہ گیا تو اس نے اپنے ابو سے پوچھ ہی لیا۔

"ابو --- آخر آپ نے ہمیں ایک ایک آم ہی تو دیا ہے پھر دو آموں کو کاٹنے کی ضرورت کیا تھی ہمیں سالم آم دیتے تو اس میں حرج ہی کیا تھا۔ انصار صاحب نے طلعت کی جانب دیکھا۔ طلعت یوں تو خاموش بیٹھی تھی لیکن اسکے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اسکے ذہن میں بھی یہی سوال گونج رہا ہے۔ انصار صاحب نے چاقو طلعت کی امی کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا ---

چنٹو! تمہیں تو یاد ہی ہوگا دو روز قبل تم نے سارے انگور خود ہی کھا لیے تھے۔ کیا اس دن میں نے انگور صرف تمہارے ہی لیے لائے تھے۔ اُن پر تو سبھی کا حق تھا تم نے سب کے ساتھ ناانصافی کی۔ بیٹا دوسروں کا حق چھین کر خود فائدہ اُٹھانا اور انصاف نہ کرنا گناہِ عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت حقوق اور انصاف سے متعلق سوالات پوچھے گا تب ہم کیا جواب دیں گے۔ کاشف کا سر شرمندگی سے جھکا ہوا تھا۔

بچو! میں ایک ایک آم تم دونوں کو دے دیتا اور اُن میں سے کوئی ایک آم پھیکا اور بے مزہ نکل آتا تو یقیناً تم دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔ اس لیے میں نے دونوں آموں کا آدھا آدھا حصہ تم میں تقسیم کیا ہے تاکہ تمہارے ساتھ صحیح انصاف ہوسکے۔ ہمارا پیارا مذہب تو انصاف سے متعلق اسی طرح کی تعلیم دیتا ہے۔ یہ سن کر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹیں پھیل گئیں۔ دونوں نے بڑے پیار سے ابو کو دیکھا اور اُن سے لپٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد کاشف نے طلعت کو اپنے پاس بلا لیا اور دونوں مزے لے لے کر آم کھانے لگے۔

☆☆☆

زمین کی جنّت

صبح ہوتے ہی دادی جان نے اپنے پوتے شاداب سے کہا بیٹا تم جلدی ناشتہ کرلو آج میں تمہیں تابش کے گھر لیے چلتی ہوں۔" یہ سن کر شاداب چونکا۔" دادی جان۔ یہ تابش کون ہے؟

بیٹا کچھ دنوں پہلے ہی پڑوس میں نئے کرایہ دار آئے ہیں ان ہی کا بیٹا ہے" دادی جان کچھ توقف کے بعد اسے پچکارتے ہوئے بولیں۔" بیٹا۔تم ہر سال یہاں چھٹیاں گذارنے آتے ہو اور اپنے رشتہ دار کے بچوں کے ساتھ ہی دن گذار کر چلے جاتے ہو۔ان کے علاوہ تم نے اب تک یہاں کسی کو اپنا ساتھی یا دوست بھی نہیں بنایا ہے۔لیکن اس مرتبہ میں تمہاری ملاقات جس بچے سے کرانا چاہتی ہوں وہ بہت ہونہار فرمانبردار،با کردار اور خوش مزاج لڑکا ہے۔تم نہیں رہتے ہو تو میں اسی سے اپنا دل بہلاتی ہوں مجھے امید ہے تمہیں اس سے مل کر بہت خوشی ہوگی اور تم دونوں میں اچھی دوستی ہو جائے گی۔"

یہ سن کر شاداب نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور اپنی دادی جان کے ساتھ ہو لیا۔دادی جان شاداب کو لیے پڑوس کے مکان میں داخل ہوئیں تو تابش کو سامنے ہی کے کمرے میں بیٹھا ہوا پایا۔دادی جان کو دیکھ کر تابش کھڑا ہو گیا۔"السلام علیکم دادی جان۔"

وعلیکم السلام تابش۔بیٹا ان سے ملو۔یہ ہے میرا پوتا شاداب۔جس کا ذکر میں ہمیشہ تم سے کرتی ہوں۔اور بیٹا شاداب یہ تابش ہے جس سے میں تمہاری ملاقات کرانا چاہتی

تھی۔تابش نے شاداب سے مل کر خوشی کا اظہار کیا۔دونوں کو ایک دوسرے سے ملتے ہوئے دیکھ کر دادی جان کے چہرے کی جھریوں میں بھی مسکان پھیل گئی۔

اب تم دونوں آپس میں باتیں کرتے رہو۔میں جا رہی ہوں یہ کہہ کر دادی جان چلی گئیں۔

تابش نے شاداب کو اپنے قریب بلا کر بٹھالیا اور پھر دونوں اپنے اپنے بارے میں تفصیل سے ایک دوسرے کو بتانے لگے۔اس دوران جب اچانک تابش کی نظریں گھڑی کی جانب چلی گئیں تو بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا۔اف۔شاداب اسے دیکھ کر چونکا۔کیوں کیا ہوا تابش؟ گھڑی دیکھ کر پریشان کیوں ہو گئے ہو۔"ارے بھائی شاداب۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل میں بھی تمہاری ہی طرح چھٹیاں گذار رہا ہوں۔کبھی کبھی تو میرا بھی وقت کاٹے نہیں کٹتا لیکن آج تم سے ملاقات کیا ہوگئی باتوں باتوں میں پتہ ہی نہ چلا کہ ایک گھنٹہ کیسے بیت گیا ویسے تم سے میری ملاقات ایک اچھے موقعے پر ہوئی ہے۔

"میں نہیں سمجھا۔وہ کیسے؟ شاداب نے تعجب خیز انداز میں پوچھا۔

شاداب تمہیں تو معلوم ہوا ہی ہوگا کہ ہر سال ۵ مئی کو عالمی یوم ماحولیات منایا جاتا ہے لہٰذا آج اسی سلسلے میں ہماری اسکول میں بھی ایک تقریب کا انعقاد کیا گیا ہے۔جناب فیض احمد صاحب مہمان کی حیثیت سے تشریف لا رہے ہیں ان کا تعلق شعبہ ماحولیات سے ہے اس موقعے پر وہ ماحولیات سے متعلق چند مفید باتیں بتائیں گے اور ان کے مبارک ہاتھوں سے اسکول کے احاطے میں شجرکاری بھی کی جائے گی اس لیے صدر مدرس صاحب نے تمام اساتذہ اور طلباء وطالبات کو ٹھیک دس بجے اسکول بلایا ہے۔

اچھا۔آپ تیاری کر کے ضرور جایئے اور مجھے اجازت دیجیے۔یہ کہہ کر شاداب اٹھنے لگا۔ لیکن تابش نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"شاداب میں چاہتا ہوں کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔فیض احمد صاحب کی ماحولیات سے

متعلق مفید باتوں سے یقیناً ہماری معلومات میں اضافہ ہوگا اور میں تمہاری ملاقات اپنے ساتھیوں سے بھی کراؤں گا۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔

"تابش یہ سب تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔۔۔۔!لیکن ویکن کچھ نہیں بس تم تیار ہو جاؤ۔ میں بھی تیار ہو جاتا ہوں۔ چونکہ تابش نے اپنائیت بھرے لہجہ میں چلنے کے لیے بہت اصرار کیا تھا اس لیے شاداب انکار نہ کر سکا۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے تابش اور شاداب اسکول کے لیے نکل پڑے اسکول پہنچنے پر انھوں نے دیکھا کہ صدر مدرس صاحب اور اساتذہ کرام آچکے ہیں اسکول کے میدان میں ایک جگہ پلاسٹک میں لپٹے پودوں کا انبار ہے اور کچھ لوگ اسکول کے میدان کے کنارے گڑھے کھودنے میں مصروف ہیں۔ تابش کی نگاہیں اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے لگیں وہ ابھی اپنی جماعت کے کمرے کی جانب شاداب کے ساتھ جا ہی رہا تھا کہ اسے اپنے ساتھی جماعت سے نکل کر میدان میں آتے دکھائی دیے۔ تابش نے اپنے ہم جماعت ساتھیوں سے شاداب کا تعارف کرایا سبھی ساتھی شاداب سے مل کر خوش ہوئے اس کے بعد تابش اور اس کے ساتھی شاداب کو اسکول کی عمارت دکھانے چل پڑے۔ یہ اسکول شہری علاقہ سے کچھ فاصلے پر تھا یہاں کے ہوادار کشادہ کمرے، دارالمطالعہ، کمپیوٹر اور سائنسی تجربہ گاہ اور کھیل کود کا وسیع میدان دیکھ کر شاداب اسکول کی تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ ابھی وہ عمارت دیکھ کر میدان کی جانب لوٹ ہی رہے تھے کہ صدر مدرس صاحب نے مہمان کے آنے کی اطلاع دی اور تمام بچوں کو میدان میں آکر بیٹھنے کی ہدایت بھی دی۔ شاداب، تابش اور اسکے ساتھی بھی میدان میں بچھائی گئی چٹائی پر بیٹھ گئے کچھ ہی دیر بعد صدر مدرس صاحب میدان کی جانب آتے دکھائی دیے۔ ان کے ساتھ فیض احمد صاحب بھی تھے جن کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا چارٹ بھی دکھائی دے رہا تھا۔ بچوں نے تالیاں بجا کر ان کا استقبال کیا۔ صدر مدرس صاحب نے فیض احمد

صاحب کا تعارف کرایا اس کے بعد فیض احمد صاحب نے وہ چارٹ جو انھوں نے اپنے ساتھ لایا تھا بچوں کو دکھاتے ہوئے کہا۔

"بچو۔آپ اس چارٹ میں دیکھ رہے ہیں اس میں چند لوگ بڑی بے دردی سے اونچے اونچے پیڑوں پر کلہاڑیاں اور آرے چلا رہے ہیں اور جنگل کو ویران کرتے نظر آرہے ہیں۔دوسری جانب پینے کے پانی کے لیے عورتیں اور بچے لائن لگائے کھڑے ہیں اور بیماریوں میں مبتلا کچھ لوگ ڈاکٹر کے پاس بھی کھڑے نظر آرہے ہیں۔"اس کے بعد فیض احمد صاحب نے چارٹ رکھتے ہوئے کہا۔"اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہمیں پیدا فرمانے کے ساتھ ساتھ ہماری ضرورت کی تمام چیزیں بھی مہیا فرمائی ہیں تاکہ ہم ان کا مناسب استعمال کر کے آرام و آسائش کے ساتھ سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔پیڑ پودے بھی قدرت کی جانب سے ہمارے لیے عطا کردہ ایک انمول عطیہ ہے۔ان میں یہ فطری صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کر کے اسے آکسیجن میں تبدیل کر دیتے ہیں اور آپ تو جانتے ہیں کہ آکسیجن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے۔پیڑوں کی وجہ سے صاف ستھری ہوائیں چلتی ہیں بارشیں ہوتی ہیں پرندے اپنے آشیانے بناتے ہیں یہ پیڑ ہی ہے جو تپتی دھوپ میں تنہا کھڑا رہ کر دوسروں کو سایہ عطا کرتا ہے۔وہ اپنے جسم کی ہر چیز دوسروں کے لیے وقف کر کے خوشی محسوس کرتا ہے ان سے حاصل ہونے والے پھل پھول' پتے' تنے اور جڑیں یہ سبھی کسی نہ کسی طرح ہماری غذا کا سامان بنتے ہیں سینکڑوں امراض کی دوائیوں کا انتظام بھی ان ہی پیڑوں کے ذریعے ہوتا ہے۔ان ہی سے ربڑ' کاغذ' گوند جیسی بے شمار چیزیں بنتی ہیں۔مکانات اور فرنیچر بنانے میں بھی ان کا بڑا عمل دخل ہے۔لیکن ان ہی پیڑوں پر غیر ضروری طور پر لوگ آرے چلاتے ہیں انھیں تباہ و برباد کرتے ہیں جس کی وجہ سے دن بہ دن ہوا میں آکسیجن کی کمی ہوتی جا رہی ہے اور غیر ضروری گیسوں کی مقدار میں اضافہ

ہونے کے باعث فضا آلودہ ہوتی جارہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہمارا سکون سے جینا محال ہوگیا ہے۔لوگ کینسر،الرجی،دمہ،ٹی بی،آنتوں کا السر اور جلدی امراض جیسی بیماریوں میں مبتلا ہوتے جارہے ہیں۔پرندوں کے آشیانے اجڑرہے ہیں۔موسم بدل گئے ہیں۔

فیض احمد صاحب نے چارٹ کے تیسرے حصے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔" بچوں ذرا قدرت کے ان حسین نظاروں کو دیکھیے۔اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے زمین پر ہرے سبزے کی چادر بچھائی۔وسیع وعریض ندیاں بہائیں اونچے اونچے پہاڑ بنائے اور رنگ برنگے پھولوں اور پھلوں سے باغ سجا کر زمین پر جنت کا نمونہ پیش کردیا۔لیکن ہم اسی جنت کا بے جا استعمال کرنے اور اسے نقصان پہنچانے میں مصروف ہیں۔ہمارا فرض ہے کہ ہم اس جنت کی حفاظت کریں۔صاف ستھرا ماحول بنائیں اور خوشحال زندگی گذارنے کے لیے' پیڑ لگائیں اور زندگی بچائیں' کے نعرے کو گھر گھر پہنچائیں۔پیڑوں کو اپنا ہمدرد اور دوست سمجھ کر ان کا خیال رکھیں۔"

فیض احمد صاحب کی ان باتوں سے بچے بے حد متاثر ہوئے۔انھوں نے فیض احمد صاحب سے مل کر وعدہ کیا کہ وہ نہ صرف پودے لگائیں گے بلکہ ان کی دیکھ بھال بھی کریں گے۔اس کے بعد سبھی بچے میدان میں رکھے پودوں کے انبار کے پاس آئے۔فیض احمد صاحب نے اپنے ہاتھوں سے میدان میں کھودے گئے گڑھوں میں پودے لگائے۔صدر مدرس صاحب نے بچوں کو ہدایت دی کہ وہ روزانہ پودوں کو پانی دیکر ان کی حفاظت کریں۔

وقت بہت ہو چکا تھا سبھی بچے گھر لوٹ رہے تھے لیکن اس مصمم ارادے کے ساتھ کہ وہ بھی ہر وقت پیڑوں کو زندگی دینے کی کوشش کریں گے جو صرف اور صرف ہمارے لیے جیتے ہیں۔

☆☆☆

ضمیر کی آواز

جب اچانک میری والدہ کا انتقال ہو گیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کچے دھاگے میں بندھا گہری کھائی میں لٹک رہا ہوں اور عنقریب کھائی میں گر کر دم توڑ دوں گا۔ ماں کے بچھڑنے کا مجھے شدت سے احساس تھا۔ اس کی یاد مجھے رہ رہ کر ستاتی تھی اس کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے گھومتا تھا۔ اکثر میں رات میں خواب دیکھتا کہ میری ماں مجھے سینے سے لگائے پیار کر رہی ہے اچھی اچھی باتیں کر کے اپنے ہاتھوں سے مجھے کھانا کھلا رہی ہے نیند میں میری زبان نہ جانے کتنے بار "ماں" کے نام کو دہراتی تھی۔ اب اس بھری پُری دنیا میں صرف میرے والد ہی تھے جو میری دیکھ بھال کرتے تھے۔ میرے والد چاہتے تھے کہ میں اسے بھول جاؤں اس کے لیے وہ مجھے پیاری پیاری کہانیاں سناتے۔ بازار میں گھمانے لے جاتے اور طرح طرح کی چیزیں خرید کر دیتے لیکن یہ ساری چیزیں میری خاموشی اور اداسی کو قہقہوں میں نہ بدل سکیں۔ والد صاحب کا بے انتہا پیار ماں کے پیار کو نہ بھلا سکا۔

آخر ایک دن میری پہلی ماں کی جگہ دوسری ماں نے لے لی جسے لوگ سوتیلی ماں کے نام سے منسوب کرتے ہیں۔ اس کے آنے کے بعد میں نے چاہا کہ میں اپنی پہلی ماں کو بھلا دوں گا کیونکہ یہ بھی میری ماں ہی بن کر آئی ہے۔ اس کے دل میں، میں اپنے لیے جگہ بنالوں گا اسے ٹوٹ کر چاہوں گا وہ بھی مجھے اپنا بیٹا سمجھ کر پیار کرے گی اور میرا خیال

رکھے گی چند مہینوں کے لیے میرا یہ خیال صحیح ثابت ہوا اور میں سچ مچ سوتیلی ماں کے پیار میں اپنی ماں کو تقریباً بھول گیا۔ اس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کا پیار کھوکھلا ہے۔ وہ مجھے دل سے نہیں چاہتی بلکہ اس کی نظر میں میں ایک کانٹے کی طرح کھٹکتا ہوں۔ دھیرے دھیرے میں اس کے لیے نوکر کی طرح ہو گیا اور جب ڈیڑھ سال بعد میرا بھائی پیدا ہوا تو وہ مجھے مکمل طور سے بھول بیٹھی اس کے بعد صرف میرے والد کو ہی میری فکر رہنے لگی۔ صبح شام مجھے اپنے ساتھ کھانا کھلاتے اپنے پاس سلاتے اور ہر ممکن کوشش کرتے کہ مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچے لیکن جیسے ہی میرے والد آفس چلے جاتے میری ماں کو موقعے مل جاتا اور وہ موقعے سے فائدہ اٹھا کر مجھ پر ڈانٹ پھٹکار اور مار پیٹ شروع کر دیتی اس لیے میں والد صاحب کی غیر حاضری میں گھر جانے سے کتراتا اور باہر ہی پناہ لیتا تھا اس کے باوجود کوئی ایسا دن نہیں گذرتا کہ مجھے ڈانٹ پھٹکار سننے کو نہ ملی ہو اور مار نہ پڑی ہو۔ لیکن ایک دن جب میرے والد کا انتقال ہو گیا اور شفقت کا ہاتھ بھی سر سے اٹھ گیا تو میرے لیے گھر جہنم سے بھی بدتر ہو گیا۔ مجھے دو وقت کا کھانا بھی نصیب نہ ہوتا۔ کبھی کھانا ملتا تو کھاتے وقت شکایتوں کا دفتر کھل جاتا اور میرے لیے ایک ایک لقمہ نگلنا دوبھر ہو جاتا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں کرتی ہے۔ ایک دن تو مجھے اس قدر مارا کہ میں بے ہوش ہو گیا اس دن میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب میں اس گھر میں نہیں رہوں گا چنانچہ میں ریلوے اسٹیشن چلا آیا یہاں ایک ٹرین جانے کو تیار تھی اسی میں بیٹھ گیا جلد ہی ٹرین نے سیٹی دی اور سرکنے لگی۔ چند ہی لمحات میں میں نے اپنے گاؤں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا اور اب وہ کھیتوں کے سینے سے دندناتی پہاڑوں کو چیرتی ہوئی شہر کی طرف رواں دواں تھی تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک ٹرین کی رفتار میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن پھر اچانک ہی ٹرین کی رفتار سست ہونے لگی شاید کوئی اسٹیشن آ رہا تھا سامنے بیٹھا بوڑھا اپنے ساتھی

سے کہہ رہا تھا کہ اس اسٹیشن کے بعد اگلا اسٹیشن پرتاپ گڑھ کا ہی ہے۔اس اسٹیشن سے پرتاپ گڑھ کے اسٹیشن کا فاصلہ صرف دس کلو میٹر رہ جاتا ہے آخر ٹرین پلیٹ فارم پر رک گئی۔میں یہ سوچ کر کھڑا ہوگیا کہ میں آنے والے پرتاپ گڑھ اسٹیشن پر اتر جاؤں گا لیکن جیسے ہی میں کھڑا ہو کر پیچھے پلٹا مجھے کالے کوٹ میں ملبوث ٹکٹ چیکر ٹکٹ چیک کرتا ہوا دکھائی دیا اسے دیکھتے ہی مجھے ٹکٹ کا خیال آیا اور میرے حواس باختہ ہو گئے میرے پاس پیسے ہی کہاں تھے جو میں ٹکٹ خریدتا۔اب کیا ہوگا میں تھر تھر کانپنے لگا۔سوچا ٹرین سے اتر جاؤں۔اس خیال کے آتے ہی میں ٹرین سے فوراً اتر گیا۔

سامنے نظر دوڑائی تو لکڑی کی پلیٹ پر خورشید آباد لکھا تھا۔میں نے دیکھا یہاں کافی لوگ اتر رہے تھے۔اور خورشید آباد سے سفر کرنے کے لیے بھی جم غفیر نظر آیا۔اس سے اندازہ ہوا کہ یہ شہر بھی کافی بڑا اور معروف ہے۔میں نے پلیٹ فارم سے چل کر اسٹیشن کے ٹین کے شیڈ کی جانب قدم بڑھا دیے۔تھوڑی ہی دور جانے کے بعد دیکھا کہ ٹکٹ چیکر کھڑا ہے۔اس کے سامنے اس ٹرین سے اترے ہوئے مسافروں کی لمبی قطار ہے۔اور وہ ٹکٹ چیک کر رہا ہے۔میں گھبرا کر واپس لوٹا اور چند قدم چل کر رک گیا۔سوچا ٹکٹ نہ ہونے کی وجہ سے اسٹیشن سے باقاعدگی کے ساتھ باہر جانے میں ضرور دشواری ہوگی۔کیوں نہ پلیٹ فارم سے کود کر پٹریوں کو پار کر لیا جائے اور پھر کچے راستے سے ہو کر شہر کی سڑک تک پہنچ جائیں۔یہ سوچ کر میں پلیٹ فارم سے پٹری پر کود گیا۔جیسے ہی پٹری پر میرے قدم پڑے کسی نے زور سے آواز لگائی۔میں پھر گھبرا گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ پٹریوں کو پار کرنے لگا۔وہاں کوئی موٹا سا تار پڑا تھا۔جلدی جلدی میں وہ تار میرے پیروں سے لپٹ گیا اور میں دھڑام سے نیچے گر پڑا۔پلیٹ فارم پر کھڑے قلی نے شائد مجھے دیکھ لیا تھا۔وہ وہاں فوراً پہنچا۔میں اٹھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن اٹھ نہیں پا رہا تھا۔اس وہ مجھے کسی طرح

پلیٹ فارم پر لے آیا۔ میرے پیروں اور ہاتھوں میں زخم آ گئے تھے اور ان زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ سر میں بھی کہیں پتھر کی چوٹ آئی تھی۔ لہٰذا بال بھی خون میں بھیگ رہے تھے۔ میری اس طرح کی حرکت پر قلی غصے میں بڑبڑائے جا رہا تھا۔ اس نے فوراً اپنے بیٹے کو آواز دی۔ وہ دوڑا دوڑا ہمارے پاس آیا۔ قلی نے کہا تم گھر جاتے جاتے اسے ہسپتال چھوڑ دو۔ اس کے سر میں بھی چوٹ لگی ہے۔ لڑکے نے مجھے اپنے ساتھ لے لیا اور ہم اسٹیشن سے نکل کر چوراہے پر آ گئے۔ وہیں قریب ہی بڑے سے احاطے میں ایک ہسپتال نظر آیا۔ لڑکے نے بتایا کہ یہ دواخانہ بہت مشہور ہے۔ یہاں ہر مرض کے علاج کے لیے ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم ہمیشہ خدمت کے لیے حاضر رہتی ہے۔ دور دراز دیہاتوں کے مریض بھی کثیر تعداد میں یہاں آتے ہیں۔

ہم دواخانے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ سامنے ایک لیڈی ڈاکٹر کسی رسالے کی ورق گردانی کرتی نظر آئی۔ لڑکے نے مجھے رک جانے کا اشارہ کیا اور وہ خود اندر داخل ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹر سے پوری حقیقت واضح کر دی بعد میں مجھے اندر بلایا۔ میرے اندر جاتے ہی لیڈی ڈاکٹر نے لڑکے کو جانے کے لیے کہہ دیا۔ ڈاکٹر نے مجھے بیڈ پر لیٹ جانے کو کہا۔ نرس کو آواز دی اور سارے زخموں کو صاف کر کے مرہم پٹی کرنے کے لیے کہہ دیا اور رسالہ ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔ ایک گھنٹے کے بعد جب وہ واپس لوٹی تو میں بیڈ پر لیٹا تھا۔ میرے زخموں کے درد کی شدت کم ہو گئی تھی۔ اس نے میری جانب دیکھ کر کہا۔ کیوں مسٹر اب کیسا محسوس کر رہے ہو؟ جی میڈم اچھا محسوس کر رہا ہوں۔ یہ کہہ کر میں اٹھ بیٹھا۔ ڈاکٹر نے میری جانب غور سے دیکھا پھر تین چار سوالات ایک ساتھ کر دیے۔ کہاں کے رہنے والے ہو؟ کہاں جا رہے تھے؟ اور تمہارے پاس ٹکٹ کیوں نہیں تھا؟ ان تین چار سوالوں میں میری پوری کہانی سمٹ کر آ گئی تھی۔ میں اپنی کہانی نرس کو سنانا مناسب سمجھا۔

میری کہانی سن کر نرس کو بہت افسوس ہوا وہ کہنے لگی اگر تم یہ کہانی ٹکٹ چیکر سے کہہ دیتے تو شاید وہ بھی معاف کر دیتے۔" اچھا اب تم میرے گھر ہی رہو گے۔ میرا کوارٹر دواخانے کے احاطے میں ہی ہے اور یہاں تم کمپونڈر کا کام انجام دینا۔ ٹکٹ چیکر سے اب تمہاری ملاقات روزانہ ہوا کرے گی۔" وہ کیوں سسٹر کیا وہ یہاں بھی آئیں گے؟" واہ کیوں نہیں وہ میرے شوہر ہیں۔ مجھے ہنسی آ گئی۔ پھر میں جلد ہی اچھا ہو گیا۔ وقت دبے پاؤں گزرتا گیا اور میں وقت کے ساتھ بڑا ہوتا گیا دواخانے میں کام کرتے کرتے میں ایک اچھا کمپونڈر بن چکا تھا۔

ایک دن کی بات ہے نرس نے مجھے رات کے دو بجے جگایا اور یہ کہہ کر چلی گئی کہ جلدی تیار ہو جاؤ ایک بہت ہی سیریس کیس ہے۔؟ میں تیار ہو گیا اور وارڈ نمبر بیس میں چلا گیا وہاں اور بھی ڈاکٹر موجود تھے بھیڑ سے نکل کر سسٹر میرے قریب آئی اور کہنے لگی ایک بڑھیا ہے اسے خون کی ضرورت ہے۔ لیکن افسوس اس گروپ کا خون دواخانے میں نہیں ہے۔ میں آگے بڑھا اور بھیڑ میں گھس کر بڑھیا کو دیکھا تو حیران رہ گیا وہ میری ماں تھی وہی سوتیلی ماں۔ فوراً ہی ایک خیال نے جنم لیا کہ وہ سسٹر سے کہہ دے کہ بڑھیا کی طرف کوئی توجہ نہ دے اس کو اپنے حال پر چھوڑ دے اسے اپنے کیے کی سزا مل رہی ہے۔ یہ میری سوتیلی ماں ہے جس نے مجھے کبھی اپنا بیٹا کہہ کر پکارنا گوارا نہ کیا۔ یہ وہی ماں ہے جس نے میری معصوم مسکراہٹیں چھینی تھیں۔ یہی میری بربادیوں اور پریشانیوں کا سبب ہے اس پر رحم کھانا گناہ ہے۔!

ایک لمحے کے لیے میں مطمئن ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے میں چونک پڑا جیسے خواب سے جاگا ہو۔" نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ یہ میرے ضمیر کی آواز تھی۔ میری انسانیت جاگ اٹھی تھی۔ مجھے اس کی مدد کرنی ہے اسے کسی طرح سے بچانا ہے۔" اور پھر میں ایک جذبے کے

تحت دوڑتا ہوا سسٹر کے پاس گیا۔" سسٹر سسٹر میرا خون ٹیسٹ کر کے دیکھ لیجیے۔" لیکن تم اتنی ہمدردی کیوں دکھا رہے ہو خون شہر سے منگایا گیا ہے۔ اگر خون آنے تک وہ زندہ رہی تو دے دیا جائے گا ورنہ!" نہیں۔نہیں سسٹر وہ۔وہ میری ماں ہے، یہ سنتے ہی سسٹر چونک پڑی اور مجھے دلاسہ دیتے ہوئے وارڈ میں لائی۔میرا خون ٹیسٹ کیا۔ اتفاق سے خون مل گیا۔ اسے خون دیا گیا، خون دینے کے ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد اسے ہوش آیا، جب مجھے معلوم ہوا کہ ماں کو ہوش آگیا ہے تو میں خوشی سے اچھل پڑا۔ میں ماں کے پلنگ کی طرف بڑھا۔ ماں نے مجھے دیکھا لیکن اس نے پہچانا نہیں۔ تھوری دیر بعد جب اسے معلوم ہوا کہ اسی لڑکے نے خون دے کر اسے نئی زندگی بخشی ہے تو اسے بہت تعجب ہوا اور وہ میری بلائیں لے کر کہنے لگی۔ بیٹا۔۔۔ میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتی تم نے مجھے ایک بیٹے کی طرح سہارا دے کر میری جان بچائی ہے۔ کاش میرا بھی تمہارے جیسا کوئی بیٹا ہوتا۔ یہ سن کر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں بول پڑا۔

ماں۔۔ تمہارا وہ بیٹا میں ہی ہوں جسے تمہیں شادی کے دن ہی تحفہ میں والد صاحب نے دیا تھا۔ اس نے تمہیں ٹوٹ کر چاہا لیکن تم نے اسے کبھی پیار کی نظر سے نہیں دیکھا۔ دیکھو نا۔۔۔ میں تمہارا بیٹا ہوں۔ یہ سنتے ہی اس کا چہرہ شرمندگی کے بوجھ سے جھک گیا اور میں اسے مسکراتے ہوئے فخر سے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

گنہگار

ہمارے محلے میں ایک نوجوان رہتا تھا۔ جس کا نام نورخاں تھا اس کی عادتیں خراب ہونے کی وجہ سے محلے کا ہر شخص اسے برا بھلا کہتا تھا۔ وہ رات میں چوری کرتا اور دن میں شراب پی کر محلے میں بڑبڑاتا اور گالیاں دیتا پھرتا تھا۔ پولس کے ہاتھوں آئے دن اس کی پٹائی ہوتی لیکن وہ اپنی بری عادتوں سے باز نہیں آتا تھا۔ محلے کے سبھی لوگ اسے نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ایک مرتبہ اس نے لاکھوں روپیوں کی چوری کی اور فرار ہوگیا۔ چوری کی رپورٹ ملتے ہی پولس نے اس کی تلاش شروع کردی اخباروں میں بھی اس کی تصویر شائع کی گئی تاکہ لوگ خبردار ہوجائیں اور نظر آنے پر اسے پکڑ لیں پولس مسلسل تین دن تک نورخاں کی تلاش کرتی رہی لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکی۔ مگر چوتھے دن پولس اس اندھیری کوٹھری میں پہنچ گئی جہاں نورخاں چھپ کر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی اس نے پولس کو دیکھا وہاں سے بھاگ نکلا۔ پولس نے اس کا پیچھا کیا۔

نورخاں پولس سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا۔ اس لیے پولس سے اپنے آپ کو بچانے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ پولس اس کے پیچھے تھی دوڑتے دوڑتے نورخاں کو اچانک ایک بڑا

کنواں نظر آیا۔ چونکہ نور خاں تیرنا جانتا تھا۔ اس لیے کنویں میں چھلانگ لگا دی۔ پولس کنویں کی طرف دوڑ پڑی۔

پولس نے کنویں میں جھانک کر دیکھا تو نور خاں اس میں تیرتا دکھائی دیا۔ پولس نے اسے رسّی سے باندھ کر باہر نکالا اور محلے میں لاکر تمام لوگوں کے سامنے اس کی خوب پٹائی کی اور جیل میں بند کر دیا۔

جیل میں وہ بہت پریشان تھا اسے جیل میں کھانے کے لیے نہ ہی پیٹ بھر روٹی مل رہی تھی اور نہ ہی پینے کے لیے شراب۔۔۔ دن گزرتے رہے اور وہ دھیرے دھیرے کمزور اور دبلا ہوتا گیا پھر ایک دن جب اس کی سزا مکمل ہوگئی تو اسے جیل سے رہا کر دیا گیا لیکن جیل سے باہر آنے کے بعد وہ اپنی عادت سے باز نہ آیا ایک دن پھر اس نے چوری کی اور پولس کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ اس مرتبہ پولس نے پہلے سے زیادہ اس کی پٹائی کی اور تین سال کے لیے اسے جیل بھیج دیا۔

جیل میں اس کے ساتھ مسلسل برا سلوک کیا جاتا تھا۔ وقت گزرتا رہا اور نور خاں کی حالت خراب ہوتی گئی اسے جب جیل میں قید کیا گیا تھا۔ تو اس وقت اس کی صحت کچھ بہتر تھی لیکن تین سال کے طویل عرصے میں وہ کئی امراض میں مبتلا ہو کر کمزور ہو چکا تھا۔ جب اس کی حالت بہت خراب ہوئی تو پولس نے اسے جیل سے نکال کر اسپتال میں داخل کروا دیا تاکہ اس کا علاج ہوسکے۔ پولس نے اس کے پلنگ کے پاس دیوار پر بڑے حرفوں میں لکھوا دیا "یہ چور ہے اس سے ہوشیار رہیں۔"

دواخانے میں جو بھی آتا اسے پڑھتا اور نور خاں کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتا۔ اب

اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اپنے ہاتھ سے پانی کا گلاس اپنے منہ تک لے جائے وہ کچھ کھا پی نہیں سکتا تھا۔

ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ اب وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکتا۔ نورخاں، جو زندگی بھر گناہوں میں مبتلا رہا اور ذلیل ہوتا رہا اب اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا تھا جبکہ اس کے پاس گناہوں کی وزن دار گٹھری کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ احساس اسے بری طرح ستانے لگا اور وہ رو رو کر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا جاتا تھا اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے دیکھ کر محلے کے مولوی صاحب نے کہا۔ "اللہ غفورالرحیم ہے یعنی معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی دعا سنتا اور قبول کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نورخاں کو معاف کرے اور ہم سب کو اس سے سبق حاصل کرنے کی توفیق دے!"

☆☆☆

شرمندگی کا بوجھ

اجمل جب گاندھی باغ بس اسٹاپ پر بس میں سوار ہوا تھا۔تب بس بالکل خالی تھی۔لیکن جیسے ہی ناطق چوک بس اسٹاپ پر آ کر رکی تو مدرسے میں پڑھنے والے چھوٹے اور بڑے بچوں کا ہجوم اس بس کی طرف لپکا اور یکے بعد دیگر ے تمام بچے بس میں سوار ہو گئے۔ابھی بس تھوڑی ہی دور گئی ہو گی کہ ایک اور بس اسٹاپ آگیا بس کے رکتے ہی ایک بوڑھا شخص سر پر گٹھری لیے بس میں لڑکھڑاتے ہوئے داخل ہوا اس وقت بس بچوں سے پر تھی اور ایک بھی نشست خالی نہیں تھی۔بس میں سوار ہونے کے بعد بوڑھے شخص نے چلتی ہوئی بس میں بڑی مشکل سے سر پر رکھی ہوئی گٹھڑی نیچے اتاری۔اور حسرت بھری نگاہوں سے بچوں کو تکنے لگا۔تاکہ کسی بچہ کو اس پر رحم آجائے اور وہ اپنی نشست اس کے لیے خالی کر دے۔

لیکن بس میں سوار کوئی بھی بچہ اس طرح کا عمل کرنے کیلیے تیار نہ تھا۔بس رہ رہ کر ہچکولے لے رہی تھی اس لیے بوڑھا بیچارہ اپنے آپ کو سنبھال نہیں پاتا اور لڑکھڑا جاتا۔ بوڑھے کو پریشان دیکھ کر بچے زور زور سے ہنسنے لگے اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔

بس کی پچھلی نشست پر اجمل خاموش بیٹھا تھا وہ مدرسہ تو نہیں جاتا تھا لیکن جیسے ہی اسے

مدرسے کے بچے نظر آجاتے تھے وہ اپنے آپ میں کھو جاتا۔ وہ سوچتا کاش میرے والد زندہ ہوتے تو میں بھی ان بچوں کی طرح مدرسہ جاتا خوب لگن اور محنت سے پڑھتا ابھی وہ انہی خیالات میں محو تھا کہ ایک بار پھر بچوں کا شور و غل بڑھنے لگا۔ تمام بچوں کی نگاہیں بوڑھے پر تھیں وہ ابھی گرتے گرتے بچا تھا۔

اجمل نے جب اس بوڑھے کی طرف دیکھا تو اسے اسکول میں پڑھنے والے بچوں پر غصہ آیا وہ سوچنے لگا یہ کیسے لڑکے ہیں جو مدرسے میں سب کچھ سیکھنے کے بعد بھی اپنے بڑوں کی عزت نہیں کرتے اور کسی کی مدد کرنے کی بجائے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

وہ ایک جذبے کے تحت اپنی جگہ سے اٹھا۔ بوڑھا پسینے میں شرابور تھا۔ اجمل نے اپنی نشست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بوڑھے سے کہا۔

"آؤ بابا۔ یہاں بیٹھو۔" یہ سنتے ہی بوڑھے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا لیکن کہہ نہیں پا رہا تھا۔

اجمل نے بوڑھے بابا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بٹھا دیا اور خود کھڑا ہو گیا۔

آج اسے انجانی سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔

بس میں اب خاموشی چھا گئی تھی۔ تمام لڑکوں کے سر شرمندگی کے بوجھ سے جھکے ہوئے تھے اور اجمل چھوٹا اور ان پڑھ ہونے کے باوجود ان سب پڑھے لکھوں سے بڑا معلوم ہو رہا تھا۔

☆☆☆

خواب سے تعبیر تک

یوں تو اشرف کے دل میں بچپن ہی سے تعلیم حاصل کر کے ترقی کی منازل طے کرنے کی خواہش اور تڑپ بدرجہ اتم موجود تھی لیکن ڈی ایڈ کرنے کے بعد جب اس کا تقرر ایک مقامی خانگی اسکول میں ہوگیا تو وہ یہ سوچ کر مایوس ہوگیا کہ عمر بھر اسے ایک پرائمری اسکول ٹیچر کی حیثیت سے ہی کام کرنا ہے کیونکہ یہاں تو ترقی کے امکانات ہی نہیں ہیں۔

اشرف کے والدین چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا تدریس انجام دیتے ہوئے اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کرے لیکن بیٹے کی تعلیم سے عدم دلچسپی دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ایک دن اشرف کے والد صاحب نے اسے سمجھایا" بیٹا یہ سچ ہے کہ جہاں تم تدریسی فرائض انجام دے رہے ہو وہاں یقیناً ترقی کے امکانات نہیں ہیں لیکن بیٹا تمہیں ابھی زندگی کا بڑا طویل سفر طے کرنا ہے۔اس زندگی میں نہ جانے کتنے ایسے موڑ آئینگے جہاں تم ٹھہر کر محسوس کروگے کہ کاش میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتا۔زندگی ایک کڑی دھوپ کا سفر ہے اور علم اس سفر میں ٹھنڈی چھاؤں کے مانند ہے۔یہ علم کبھی رائیگاں نہیں جاتا بیٹے۔"

اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے والدین کی بار بار ترغیب و تحریک نے اشرف کے دل میں سوئی ہوئی تمنا جگا دی لہٰذا ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اسنے خانگی طور پر اپنے تعلیمی مرحلے طے کرنے شروع کردیے۔دیکھتے ہی دیکھتے اس نے بی۔اے۔، ایم۔اے اور بی۔ایڈ کی اسناد حاصل کرلیں ساتھ ہی پی ایچ۔ڈی کے لیے تحقیقی مقالہ لکھ کر

ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کر لی لیکن یہ ساری ڈگریاں فائل میں قید ہو کر رہ گئیں۔ اس کے والد بھی چل بسے۔ اسے بھی مقامی اسکول میں کارِ تدریس انجام دیتے ہوئے پندرہ سال کا عرصہ بیت گیا۔ اس کے ساتھی اسے طنزیہ طور پر دوسری جماعت کو پڑھانے والے ڈاکٹر صاحب کہہ کر جب بھی مخاطب کرتے تو یہ طنز اس کے دل میں تیر کی طرح چبھتا۔ اس کے والد حیات ہوتے تو وہ ان سے کہتا کہ آپ کی خواہش پر اس نے اعلیٰ تعلیم حاصل نہ کی ہوتی تو آج اسے اس طرح کے طنزیہ فقرے سننے کو نہ ملتے۔

وقت پَر لگا کر اڑتا رہا۔ ایک دن اس کے ساتھی نے ایک اخبار لے آیا۔ اس میں پڑوس کے شہر کے سینئر کالج میں ایک پروفیسر کی اسامی کے لیے درخواستیں طلب کی گئی تھیں۔ اس کے ساتھی نے کہا "اشرف میں اس قابل نہیں ہوں کہ پروفیسری کے لیے درخواست دے سکوں لیکن جو اسناد اس اشتہار میں طلب کی گئی ہیں وہ تمام تمہارے پاس موجود ہیں لہٰذا تم ضرور درخواست دو۔"

اشرف نے اپنی درخواست کے ساتھ تمام اسناد منسلک کر دی اور انٹرویو کے لیے حاضر ہو گیا۔ کالج کے انتظامیہ کو ایک ایسے ہی قابل پروفیسر کی ضرورت تھی۔ انھوں نے اس کا تقرر کر دیا۔ وہ جب اپنے حق میں فیصلہ سن کر باہر نکلا تو اسے اپنے والد کی باتیں بار بار یاد آرہی تھیں۔

"بیٹا تمھیں ابھی زندگی کا طویل سفر طے کرنا ہے۔ اس زندگی میں نہ جانے کتنے موڑ ایسے آئیں گے جہاں تم ٹھہر کر محسوس کرو گے کہ کاش میں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوتا۔ زندگی ایک کڑی دھوپ کا سفر ہے اور علم اس سفر میں ٹھنڈی چھاؤں کے مانند ہے۔ یہ علم کبھی رائیگاں نہیں جاتا بیٹے۔"

☆☆☆

ادیب الاطفال کی تخلیقات

مشاہیر ادب کی نظر میں

صبح کا بھولا میں شامل کہانیوں کا اسلوب تحریر دلکش اور صاف ستھرا ہونے کے علاوہ زبان و بیان بچوں کی ذہنی سطح اور معیار فہم و دانش کے عین مطابق ہے۔ان کہانیوں کے موضوعات جہاں دلچسپ ہیں وہاں سماجی و اخلاقی اعتبار سے نہایات سبق آموز بھی ہیں۔ یقیناًیہ ادب پارے کردار سازی کے لیے بڑے خاصے کی چیز ہیں۔سچائی اور دل پذیری ان کہانیوں کی خصوصیات ہیں۔اشفاق احمد نے یہ کہانیاں بچوں کے لیے تحریر کی ہیں مگر مزے کی بات تو یہ ہے کہ ان کے انداز تحریر میں بچکانہ پن کا شائبہ کہیں نظر نہیں آتا بلکہ ایک خاص قسم کی مقصدیت ان کہانیوں کا طرۂ امتیاز معلوم ہوتی ہے۔ یہ بچوں کو نہ صرف خوش اخلاقی کی تعلیم دیتی ہیں بلکہ انھیں ایک اچھے انسان اور اچھے شہری بن کر سماج میں اونچا مقام حاصل کرنے کی تلقین بھی کرتی ہیں۔اشفاق احمد نے اپنی کہانیوں میں کہانی پن کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔اس لیے ان کو اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ان کی کہانیوں میں خواب آلودہ ماحول کی بجائے جیتی جاگتی زندگی کے سچے واقعات اور فطری واردات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔انھوں نے اپنی ذاتی اور شعوری

کوششوں کی بدولت اخلاق انسانی کے مثبت اور منفی دونوں پہلوؤں کو اچھی طرح اجاگر کیا ہے۔ ان میں کردارنگاری اور واقعات زندگی کی عکاسی جس ہنرمندی کے ساتھ کی گئی ہے اس کے لیے میں اشفاق احمد صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں۔

[ڈاکٹر منشاء الرحمن خان منشاء، ناگپور]

آپ کی تحریر کا حکایت والا انداز بہت اچھا لگا۔ بچوں کے ادب اور ادیب دونوں کی حوصلہ شکنی ہو رہی ہے امید ہے آپ حوصلہ نہ ہاریں گے۔ [پروانہ ردولوی، دہلی]

آپ نے ہر تحریر کی بنیاد حقیقت پر رکھی ہے تب بھی ان میں تجسس کی رمق موجود ہے۔ بیشتر کہانیوں میں اخلاق آموزی کی کیفیت نہایت واضح ہے جس سے ان کے مقصد کا تعین ہوتا ہے۔ یہ بھی ہونا چاہیے لیکن خیال رہے کہ پوری زندگی ہی ایک بتدریج درس کا نام ہے۔ بچے پر اخلاقیات کا اس قدر بوجھ ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے پرانے جادوگروں کی سیر کرائیے، یہ بھی بتائیے کہ حقائق کے پس پشت بھی سلسلہ وار دوسرے ان دیکھے حقائق کی اور کئی دنیا آباد ہیں۔ [ڈاکٹر عتیق اللہ، دہلی]

ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب ناگپور شہر کے ادارہ قدوائی جونیر کالج میں مدرس ہیں۔ آپ کی ایک چھوٹی سی کتاب "اخلاق رسول واقعات کی روشنی میں تحفتاً ملی۔ یہ کتاب انھوں نے بچوں کی تربیت کے لیے اسلامی اصول کے تحت لکھی ہے۔ آپ نے واقعات کے لحاظ سے حضورؐ کی سیرت کے بہت سے پہلوؤں کو بڑی سادگی سے قلمبند کیا ہے۔ عنوانات میں امانت داری، یتیموں کے ساتھ مہربانی، غریبوں کے ساتھ محبت، خواتین کے ساتھ ہمدردی، حیوانات پر رحم، مساوات پسندی، خوف الٰہی، توکل علی اللہ ایفائے عہد، عدل

وانصاف حسن معاملہ، اپناد وغیرہ کو جناب اشفاق احمد صاحب نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں موثر طریقے سے ترتیب دیا ہے۔

مجھے لگتا ہے کہ وقت کی ایک اہم ضرورت پر ماسٹر صاحب نے قلم اٹھایا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو قبول فرمائے اور پڑھنے والے بچوں کے دلوں میں موصوف کی نگارشات کے اثرات کو قائم کرے۔ آمین۔ [عبدالکریم پاریکھ، ناگپور]

اردو میں بچوں کے لیے لکھنے والے کم ہیں۔ بچوں کے لیے لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ آپ اس مشکل کام کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔

[ظفر گورکھپوری، ممبئی]

صبح کا بھولا کی تمام کہانیاں بچوں کے طبعی رجحانات، نفسیاتی تقاضوں، فطری دلچسپیوں اور ذہنی استعداد کے اعتبار سے ان کے مزاج اور معیار پر پوری اترتی ہیں۔ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے حالات بامحاورہ سلیس بول چال، چھوٹے چھوٹے دلچسپ مکالمے، متاثر کن انداز بیان اور واقعات کے ربط و تسلسل کے تانوں بانوں سے تیار کی گئی یہ کہانیاں واقعی بچوں کی کہانیاں ہیں۔ ان کہانیوں میں اشفاق احمد ایک سخت گیر معلم اخلاق کی طرح پند و نصائح کی کڑوی گولیاں نگلنے پر بچوں کو مجبور نہیں کرتے بلکہ ایک بے تکلف دوست بن کر دلچسپیوں کی خوش رنگ ٹافیاں اور مسرت بخش سرور کی سوندھی سوندھی مونگ پھلیاں بانٹتے۔ گلیوں، سڑکوں، ندی، تالابوں کے کناروں اور کھیت کھلیانوں میں ان کے ساتھ پکنک مناتے دکھائی دیتے ہیں۔ [ڈاکٹر محبوب راہی، اکولہ]

آپ کی کہانیاں ایک ہی نشست میں پڑھ لیں۔ تعریف کرنا ایک رسمی سی بات ہے لیکن

سچ تو یہ ہے کہ بچوں کا ادب بہت کم لکھا جا رہا ہے۔ جو لوگ لکھتے ہیں اپنا بڑا پن ذرا دیر کے لیے نہیں بھولتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی کہانیاں بچوں کے لیے نہ ہو کر بڑوں کی چیز بن جاتی ہیں۔ آپ مدرس ہیں اس لیے بچوں کی نفسیات کو سمجھ کر لکھتے ہیں اور یہی آپ کی کہانیوں کی خوبی ہے۔ [مسرور جہاں، لکھنو]

ڈاکٹر اشفاق احمد مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں لیکن مجھ سے سینئر قلمکار ہیں۔ میں نے جب باقاعدہ لکھنا شروع نہیں کیا تھا۔ تب بھی ان کی تحریریں انقلاب اور اردو ٹائمز میں نظروں سے گزرتی رہتی تھیں۔ جب میری پہلی کتاب جنگل کی امانت شائع ہوئی تو میں نے خاص طور سے سب سے پہلے ڈاکٹر اشفاق احمد کو پیش کی وہ اس وقت امریڈ روڈ پر واقع اسپننگ مل کے کوارٹر میں رہتے تھے۔ اس وقت ان سے ادب پر تبادلہ خیال میں اوروں کی ادبی معلومات سن کر میں ششدر رہ گیا۔

ڈاکٹر اشفاق احمد مدرس ہیں اور افسانچہ ان کا پسندیدہ موضوع ہے۔ بڑوں کے لیے افسانے اور بچوں کے لیے کہانیاں بھی خوب لکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئز کتابیں، اسلامی معلومات کی کتابیں اور جنرل نالج پر بھی طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

ناگپور میں اردو ادب اطفال پر یوں تو کوئی بہت بڑا کام نہیں ہوا ہے لیکن رک رک کر اس شہر میں ادب اطفال کی مشعلیں روشن ہوتی رہی ہیں۔ ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب نے ایسی تمام مشعلوں کو دریافت کرنے اور ان کی شعاعوں کے پھیلاؤ کو حروف میں مقید کرنے کی کوشش کی ہے۔

"ناگپور میں بچوں کا ادب" ڈاکٹر اشفاق احمد صاحب کی یہ کتاب شہر ناگپور کے ادب

اطفال کا ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا ہے جو ہر زمانے میں اس شہر کے ادب اطفال پر کام کرنے والوں کے لیے مشعل اور رہنما ثابت ہوگی۔

میں نے دیکھا ہے کہ اس کتاب کو معتبر اور موقر بنانے کے لیے موصوف نے تحقیق کا مشکل فریضہ احسن طریقہ سے انجام دیا ہے۔ ناگپور میں نثر نگاری، نظم نگاری، ڈرامہ نگاری اور اخبارات ورسائل کی کماحقہ جانکاری اس ایک چھوٹی سی کتاب میں جمع کر کے انھوں نے ایک کارنامہ انجام دیا ہے اور ناگپور میں بچوں کے ادب کی تمام اصناف پر چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے والے قلمکاروں کو بھی اپنی کتاب کے صفحات پر زندہ و تابندہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ناگپور میں ادب اطفال پر اب تک جو طبع زاد کام ہوا ہے ڈاکٹر اشفاق احمد کی یہ تالیف شدہ تصنیف اس سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔

اس گرانقدر تالیف کے لیے ان کی کوشش، محنت اور جذبے کے لیے میں انھیں دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

[وکیل نجیب، ناگپور]

آپ نے بچوں کے لیے لکھی گئیں چند کتابیں عنایت فرمائی تھیں مطالعہ کر کے میں حیرت میں پڑ گیا کہ آپ نے کتنا مفید کام کر ڈالا۔ خدا آپ کے حوصلے بلند رکھے۔ میں آپ کا دل سے قدرداں ہوں۔ خدا آپ کے قلم کو مزید جولانی عطا کرے۔

[سید عبدالباری، دہلی]

خوشبو کی واپسی دیکھ کر ایک بار پھر یہ احساس ہوا کہ اردو ادب میں بچوں کے لیے لکھنے کی روایت خوشبو کی طرح واپس لوٹ رہی ہے۔ خوشبو کی واپسی کی کہانیاں بچوں کو ایک سمت دکھائیں گی اور بھولی بسری باتیں جو اس بچکانہ عمر میں اکثر ذہن سے دور رہتی ہیں

دوبارہ تازہ ہونگی اور ساری عمران کی ہمسفر بن کر کارآمد ثابت ہونگی۔ [احمد وصی، ممبئی]

اس مجموعے کی تخلیقات میں ایک بڑی بات یہ ہے کہ یہ بچوں کے ذہن، معیار اور اخلاقی شعور کو دھیان میں رکھتے ہوئے اپنی منزل سے گذری ہیں اور شاید اس کی بڑی اہم وجہ آپ کا احساس معلم ہونا ہے۔ میں تو یہاں تک کہوں گی کہ خوشبو کی واپسی نہ صرف بچوں کے لیے بلکہ ان بالغوں کے لیے بھی مشعل راہ ہے جو اخلاقی قدروں سے بھٹک گئے ہیں۔ اس مجموعہ کی ہر کہانی میں ایک پیغام ہے آپ اپنا سفر جاری رکھیں، یہ بہت بڑا کارخیر ہے۔

[ڈاکٹر نگار عظیم، دہلی]

ہمارے یہاں بچوں کے لیے نظمیں لکھنے والے بہت ہیں، نثر لکھنے والے بہت تھوڑے لوگوں میں آپ شامل ہیں۔ بچوں کے لیے لکھتے ہوئے بھی آپ نے ادبی تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے۔ آپ کی کہانیوں میں ادبی فاصلہ موجود ہے۔ آپ کی کہانیوں میں خبر محض حالات حاضرہ کی رپورٹ نہیں ہوتی۔ تخلیقی سرزمین پر کہانیوں کے کردار ایک تخلیقی ماحول میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ [ڈاکٹر صفدر، امراؤتی]

ہم جولیوں اور ہم عمر بچوں کے قصہ کہانیوں کا تانا بانا ہو تو ان سیماب صفت بچوں کو بیانیہ کی ڈور سے باندھے رکھنا کچھ دشوار بھی نہیں ہے یہ نفسیاتی نکتہ اشفاق احمد نے یقیناً تدریسی تجربات سے اخذ کیا ہوگا اس لیے ان کی کہانیوں کے بیشتر کردار بچے ہیں۔ موضوعات اور راوی کا لب ولہجہ بھی ایسا کہ ننھے قارئین جلد مانوس ہو جائیں۔ اشفاق احمد کی بیشتر کہانیاں اخلاقی درس سے معمور ہیں مگر بوجھل نہیں۔ پیغام ان تحریروں میں اس طرح تحتی ہے جیسے کبوتر کے پیروں میں کوئی سبک سا سندیسہ بندھا ہوا ہو۔ اس سندیسہ کی ترسیل میں وہی

دلچسپی، شوق اور تحیر برقرار ہے جو بچوں کی نرالی دنیا تک رسائی کا password ہے اور منزل مقصود تک ان کی رہنمائی کا ضامن بھی ہے۔ [ڈاکٹر محمد اسد اللہ، ناگپور]

اشفاق احمد کو بچوں سے باتیں کرنے کا سلیقہ خوب آتا ہے۔ وہ بچوں کو اخلاقیات کا سیدھا پاٹھ نہیں پڑھاتے۔ کمپیوٹر کے اس دور میں مافوق البشر شخصیات جن، پری، بھوت، شکتی مان اور بغیر محنت کے دولت کمانے والی کہانیوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے ایسی کہانیوں سے پرہیز لازمی ہے۔ اشفاق احمد کی کہانیاں زندگی کی کڑوی سچائیاں پیش کرتی ہیں اور بچوں میں عزم اور حوصلہ پیدا کرتی ہیں۔ [شاہد رشید، وردھ]

صبح کا بھولا کی کہانیاں بچوں میں اخلاقی قدروں کی بقاء اور فروغ میں معاون ثابت ہوتی ہیں۔ اور ان کا تخلیقی شعور بچوں کو زندگی کے تئیں مثبت رویہ اپنانے کے لیے مجبور کرتا ہے۔

[غلام رسول اشرفؔ، ناگپو]

خوشبو کی واپسی کے ہر کہانی کے کردار جیتے جاگتے اور انسانی گوشت پوست کے کردار ہیں۔ اشفاق احمد نے کسی بھی کہانی میں مافوق الفطرت کردار سے کام نہیں لیا۔ انھوں نے اپنی کہانیوں میں پند و نصائح پر بھی زور دیا ہے لیکن ان کی پیشکش میں کچھ ایسا انداز اختیار کیا ہے کہ قارئین کو بوریت کا احساس نہیں ہونے دیتے۔ [شاغل ادیب، حیدرآباد]

☆☆☆

توشیحی نظم

حیدر بیابانی

ا = انسانیت کا درس وہ دیتا ہے ہر کسے
لکھنا لکھانا پڑھنا پڑھانا میں مشغلے

ش = شہرت ملی ہے علم و ادب میں اسے بہت
ان کامیابیوں میں مگر دل لگے بہت

ف = فہرست اس کی لکھی کتابوں کی ہے طویل
حرف و بیاں کے جن کے بھی چرچے ہیں میلوں میل

ا = ایک سیلف میڈ شخص کے دم خم پہ اپنے خود
منزل کو اپنی پاگیا جو دم پہ اپنے خود

ق = قائم رہے زباں پہ پابند دین ہے
ذات اس کی اپنی ذات میں صد آفرین ہے

ا = ایسا شریف جس پہ شرافت کو ناز ہو
خاموش طبع یوں کہ لگے خود ہی راز ہو

ح = حیرت سے اس کی کارگزاری تکے فلک
اس کی اڑان جو ہے ابھی بادلوں تلک

م = میری دعا ہے اس کا چمکتا رہے نصیب
ہو روشنی کا ساتھ جو سورج بھی ہو قریب

د = دامن میں اس کے پھول ہوں گلشن ہوں راہ میں
جڑ جائیں چاند تارے بھی اس کی کلاہ میں

اصلاحی و اخلاقی کہانیوں کا مجموعہ

بہاریں لوٹ آئیں

ڈاکٹر اشفاق احمد

BAHAREIN LAWT AAYEIN

(Stories for Children)

By : Dr. Ashfaque Ahmad

First Edition : 2018

Price : 50/-